جدید لائبریری

538

ایکسٹرا سے ہیروئن تک

کرشن چندر

2/75

ایوان پبلیکیشنز ٹرسٹ کراچی

انگلینڈ سے ہیروئن تک

(طنزیہ ناول)

کرشن چندر

اعوان پبلیکیشنز
ٹیڈی ویلیج روڈ پوسٹ بکس ۵۱۴۹ کراچی ۲

۳۷۳۸ - گول گوالمنڈی راولپنڈی فون ۶۲۲۳۹

عجیب زمانہ آن لگا ہے۔ آجکل بچے پیدا ہو کر ڈیڈی بعد میں کہتے ہیں دلیپ کمار کہنا پہلے سیکھ جاتے ہیں۔ ماں کا سنبدھان بعد میں آتا ہے۔ بینا کماری سب سے پہلے آجاتا ہے اور بہت آسانی سے! جو حال گھر کا ہے۔ وہی اسکول کا ہے۔ ایک دفعہ مجھے اسکول میں پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے پوچھا۔ "بچو! بتاؤ رامائن کس نے لکھی؟" جواب ملا۔ "بابو بھائی مستری نے!" میں نے پوچھا۔ "مشہور مغل بادشاہوں کے نام گناؤ؟" بولے، "مغلِ اعظم۔ بابر۔ شاہجہاں۔ پکار۔ اور کے آصف!" میں نے پوچھا۔ بمبئی کا جغرافیہ بیان کرو۔" بولے، "بمبئی کے مشرق میں چیمبور ہے جہاں راجکپور

رہتا ہے۔ شمال میں پانی پل ہے جہاں دلیپ رہتا ہے مغرب میں
جنیتی مالا کا مکان ہے اور جنوب میں بے شری کا! سو میں نے
اسی دن اسکول سے استعفیٰ دیدیا اور گھر چلا آیا۔

۲

گھر آکر بہت سوچا۔ بہت سوچا۔ آخر سمجھ میں آیا۔ کہ
غلطی میری ہے۔ دراصل یہ فلم کا عہد ہے۔ ہندوستان میں صرف
پندرہ فی صدی لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ لیکن سینما دیکھنے والے سو فیصدی
ہیں۔ اس لئے اگر لوگوں کو پڑھے لکھے بنانا ہے تو اس کا سب سے
آسان طریقہ یہ ہے کہ انہیں فلم کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے یہی سوچ
کر میں نے مندرجہ ذیل فلمی قاعدہ لکھا ہے۔ میرا دعوی ہے کہ اس کے
پڑھنے سے ہر وہ شخص جو پڑھا لکھا نہیں ہے۔ بہت جلد پڑھنا لکھنا
سیکھ سکتا ہے۔ اپنے دیش اور اپنے ماں باپ کا نام روشن کرسکتا ہے
اس قاعدے کی فلم بھی بن سکتی ہے۔ بلکہ اس کے ایک ایک حرف
کی فلم بن سکتی ہے۔ جو پروڈیوسر چاہے مصنف کی اجازت حاصل
کئے بغیر اس کی فلم بنا سکتا ہے۔ اور اس کے اندر ناچ اور گانے
اپنی حیثیت اور حماقت کے مطابق ڈال سکتا ہے۔

لیجیے اب شروع کرتا ہوں۔

الف سے اندھیرا ہوتا ہے۔ جو فلم انڈسٹری کے لئے بے حد ضروری ہوتا ہے۔ دنیا کا ہر کام دن کی روشنی میں ہوتا ہے اسکول دن میں کھلتے ہیں، کارخانے دن میں چلتے ہیں۔ دفتر دن میں کھلتے ہیں۔ لیکن فلم کا ہر کام اندھیرے میں ہوتا ہے۔ فلم اندھیرے میں بنائی جاتی ہے۔ اندھیرے میں دھوئی جاتی ہے۔ اور اندھیرے میں دکھائی جاتی ہے۔ اس انڈسٹری میں شروع سے آخر تک اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس لئے اس انڈسٹری میں کامیاب ہونے کے لئے عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پورا ہونا بے حد ضروری ہے۔

تو پیارے بچو! جلدی سے اپنی آنکھیں بند کرو اور زور سے کہو۔!

"الف سے اندھیرا۔"

الف سے آئینہ ہوتا ہے۔ جو ہر فلم کی جان ہوتا ہے۔ فلم کیمرے میں چلتی ہے۔ جو ایک طرح کا آئینہ ہوتا ہے۔ ہیروین آئینے میں اپنی صورت دیکھتی ہے۔ اور میک اپ کے ذریعہ اپنی بدصورتی چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔ پروجیکٹر بھی ایک طرح کا آئینہ ہوتا ہے۔

جس میں سے روشنی گزار کر فلم پردے پر پھینکی جاتی ہے۔ پروڈیوسر دراصل ایک طرح کا آئینہ ساز ہوتا ہے جو لاکھوں روپے خرچ کر کے آپ کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کامیاب ہو گیا تو لاکھوں کے وارے نیارے کر لیتا ہے ورنہ سر جھکا کر کہتا ہے

"آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے!"

اس لئے بچو" تنگ موری کی پتلون پہنو، لال رنگ کی بش شرٹ، بالوں کو ماتھے پر گرالو اور آئینہ دیکھ کر کہو۔

"ولف سے آئینہ"

ولف سے انٹرویو بھی ہوتا ہے۔ جو ہر فلم کمپنی میں ہوتا ہے۔ انٹرویو کئے بغیر فلم انڈسٹری میں کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ انٹرویو، دوسری جگہوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ دوسری جگہوں پر یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ آپ کی عقل کیسی ہے۔؟ یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ آپ کی شکل کیسی ہے۔؟ دوسری جگہوں پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے کالج کے کتنے امتحان پاس کئے ہیں۔ یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ آپ کتنے امتحانوں میں فیل ہوئے ہیں۔ اور جو آدمی جتنا زیادہ فیل ہو چکا ہو گا۔ اتنا ہی فلم انڈسٹری میں زیادہ کامیاب ہو گا ——

اسی لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لڑکا اسکول یا کالج میں فیل ہوتا ہے فوراً گھر سے بھاگ کر کسی فلم کمپنی میں انٹرویو کرنے کے لئے بمبئی کا رخ کرتا ہے۔ اس لئے بچو تم بھی جلدی سے اپنی کتابیں پھاڑو، سامان باندھو اور بولو۔

الف سے انٹرویو۔!

الف سے ایچک دانہ ہوتا ہے جو ہمیشہ بیچک دانہ کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جیسے شنکر کے ساتھ جے کشن ۔! تم نے مہاتما گاندھی کا نام نہیں سنا ہوگا۔ لیکن وہ مشہور گیت ضرور سنا ہوگا، ایچک دانہ بیچک دانہ دانے اوپر دانہ! یہ ایک مشہور فلمی گیت ہے جسے بعض ہونہار بچے بندے ماترم کی جگہ گاتے ہیں اور اسکول کی سالانہ نمائش میں انعام پاتے ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہے۔؟ یہ کوئی بچہ مجھے آج تک نہیں سمجھا سکا۔ لیکن اس میں بچوں کا کوئی قصور نہیں ہے دراصل یہ دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے اور اس دنیا کے ساتھ ساتھ علم اور سائنس اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ ہر بات کا جاننا بہت مشکل ہے۔ آپ کسی بچے سے پوچھئے کہ اس نے کلاس میں کتنے نمبر حاصل کئے۔ بڑی مشکل سے بتائے گا۔ لیکن

دلیپ کمار کا نمبر پوچھئے۔ فوراً بتا دیگا! ـــــ اس لئے بچو اگر فلم میں کام
کرنا چاہتے ہو تو کسی بات کا مطلب جاننے کی کوشش مت کرو۔ جلدی
سے سر ہلا کے کہو "الف سے ایچکدانہ

الف سے ایمانداری بھی ہوتی ہے ــــــ جو آجکل کی دنیا
میں صرف بلیک کے بھاؤ سے ملتی ہے۔ اسی لئے میں نے ایمانداری کا نام
نہیں لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایمانداری کوئی ہیرو تو ہے نہیں ــــ
وہ کوئی ہیروین بھی نہیں ہے۔ جسے فلم کے پردے پر دکھایا جا سکے اور
اور آجکل کے بچوں کا یہ دستور ہے کہ جس چیز کو وہ فلم پر نہیں دیکھ سکتے
اسے سمجھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ آجکل کے زمانے میں ایمانداری
ایک بے مطلب بے معنی نہ سمجھ میں آنے والی شئے ہے۔ یعنی جو
ایمانداری ہے وہ گویا ایک طرح کا ایچکدانہ ہی ہے۔ اس لئے بچو"
ایمانداری کو بھول جاؤ اور زور سے کہو۔

الف سے ایچکدانہ۔!"

الف سے ادھار ہوتا ہے جس پر اکثر فلم کمپنیوں کا دار و مدار
ہوتا ہے ــ کہتے ہیں کہ ایک فلم کمپنی صرف تین چیزوں کے سہارے

چلتی ہے۔ سنگھار۔ اشتہار اور ادھار۔ ان میں سب سے زیادہ
ضروری چیز ادھار ہے ۔۔۔ لوگ کہتے ہیں کہ ادھار محبت کی قینچی
ہے۔ مگر وہ فلم کمپنی کی جان ہے ۔ اگر کہیں سے ادھار نہ ملے تو دو تہائی
فلم کمپنیوں کی جان نکل جائے ۔ اگر شوٹنگ کے وقت کپڑے والا
کپڑے ادھار نہ دے تو اکثر ایکٹر لوگ سیٹ پر چڈھی پہنے گھومتے
نظر آئیں۔ اگر کینٹین کھانا ادھار پر نہ دے تو سارا اسٹاف بھوکا مر
جائے۔ اگر اسٹوڈیو والا اسٹوڈیو ادھار نہ دے تو اسی وقت
پیک اپ ہو جائے ۔۔۔ یہاں کہانی ادھار پر آتی ہے ۔ ہیروین ادھار
پر آتی ہے۔ سیٹ ادھار پر بنایا جاتا ہے۔ فرنیچر ادھار پر سجایا
جاتا ہے ۔ ہیئر ڈریسر ادھار پر ملتی ہے کیمرے کی ریل ادھار پر چلتی
ہے ۔ ہیرو کا گھوڑا ۔۔۔ دلہن کا کوڑا ، ارجن کا رتھ ، سونے کا مٹھ
گالوں کی لالی ۔ کالوں کی بالی ۔ دلہن کا صندوق ، سپاہی کی بندوق۔
مرغی کا انڈا ۔ سادھو کا ڈنڈا ۔۔۔ سب کچھ ادھار پر ملتا ہے ۔۔۔
گویا فلم کمپنی کی جو بہار ہے خالص ادھار ہے۔ آپ نے وہ محاورہ
تو ضرور سنا ہو گا۔ "ادھار کھائے بیٹھے ہیں ۔" یہ ضرور کسی فلم کمپنی
میں کام کرنے والوں کی صورتوں کو دیکھ کر بنایا گیا ہے۔ اس لئے بچو اگر
فلم پروڈیوسر بنا چاہتے ہو تو ابھی سے ادھار مانگنا شروع کر دو ۔۔۔

اور لولو ـــــ

"ولف سے ادھار"

"ولف سے اوٹ پٹانگ"

عام طور پر اوٹ پٹانگ کسی ایسی بات کو کہتے ہیں جس کا کوئی سر پیر نہ ہو۔ جو بالکل بے معنی، بے کار اور مہمل ہو ـــــ مگر فلم انڈسٹری میں اس کا مطلب ہے کہانی !

باقی ہر بات کا فلمی دنیا میں کوئی نہ کوئی مطلب ہوتا ہے کوئی نہ کوئی اصول ہوتا ہے ـــــ اس کے استعمال کرنے کا کوئی طریقہ ہوتا ہے ـــــ مثال کے طور پر کیمرے کا فلٹر استعمال کرنے کا ایک اصول ہے۔ گھوڑے کو دوڑانے کا ایک طریقہ ہے ـــــ کیمرے کے ساتھ مائک کو استعمال کرنے کا ایک مطلب ہے ـــــ لیکن فلمی کہانی کا نہ کوئی اصول ہوتا ہے۔ نہ طریقہ ہوتا ہے ـــــ اکثر حالتوں میں اس کا مطلب بھی نہیں ہوتا ـــــ سوراجیہ حاصل ہونے کے بعد اگر مکمل آزادی کسی کو ملی ہے تو صرف فلمی کہانی کو ـــــ !

لیکن اس میں قصور نہ کہانی لکھنے والے کا ہے۔ نہ کہانی

فلمانے والوں کا ـــــ بلکہ دیکھنے والوں کا جن کو صرف اوٹ پٹانگ کہانیاں پسند آتی ہیں ـــــ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو کہانی جتنی زیادہ اوٹ پٹانگ ہوگی اتنی ہی زیادہ لوگوں میں مقبول ہوگی۔ اگر ہیرو قاعدے اور شرافت سے محبت کرے تو کس کو پسند آتی ہے؟ لیکن اگر وہ ہیروئین کو کمر سے پکڑ کر دو چکر بازی دے کر اپنے سر پر اٹھا کر باہر گلی میں نکل آئے اور سڑکوں پر گیت گاتا چلے تو واہ، واہ کے ڈونگرے برس جاتے ہیں اور لوگ سینما کے باہر کیو پر کیو لگانے لگتے ہیں۔

مجھے خود ایسی اوٹ پٹانگ کہانیاں بہت پسند آتی ہیں۔ جن کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ لیکن جو بڑے مزے میں ہنساتی اور رلاتی جاتی ہیں۔ کیونکہ اندر سے میں بھی ایک بچہ ہوں۔ چھوٹا سا ـــــ تمہاری طرح۔ اس لئے آؤ بچو، اوٹ پٹانگ تصویریں دیکھیں اور کہیں۔

"والف سے اوٹ پٹانگ!"

"الف سے ان ہونی"

الف سے ان ہونی ہوتی ہے ـــــ ان ہونی کا عالم سے

بڑا گہرا تعلق ہے۔ ان ہونی وہ ہوتی ہے جو فلم کے سوا اور کہیں
نہیں ہوتی ہے۔ ایسی کہانی جو زندگی میں کہیں نہ دکھائی دے۔ ایسے
ڈریس جو لوگ کبھی نہیں پہنتے ــــ ایسے مکان جو فلم کے سوا اور کہیں نہیں
پائے جاتے ــــ ایسے ناچ جو اور کہیں نہیں ناچے جاتے۔ ایسے
سپاہی جو ایک تلوار سے ساری فوج کو کاٹ کے پھینک دیتے ہیں
یہ اور ایسی دوسری ان ہونی باتیں آپ صرف فلم میں دیکھ سکتے ہیں
اور لوگ دراصل اسی لئے فلم دیکھنے جاتے ہیں کیونکہ جو نہ ہوتی ہے
یا ہو سکتی ہے۔ اسے دیکھنے کی کسے چاہ ہے؟ اسی لئے ہر اچھی فلم
ان ہونی سے شروع ہوتی ہے۔ اور ان ہونی پر ختم ہوجاتی ہے ــــ
یہ ان ہونی وہ سندر سپنا ہے۔ جو ہر شخص اپنے دل میں چھپائے
گھومتا ہے۔ اور جب وہ صرف فلم کے پردے پر دیکھتا ہے۔ اس
لئے ان ہونی کو یاد رکھو ــــ اور کہو ــــ

"ولف سے ان ہونی۔!"

"ولف سے ایکسٹرا!"

ولف سے ایکسٹرا ہوتا ہے ۔ اور ہوتی بھی ہے۔ یعنی ایکسٹرا مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی ــــ فلم میں جب کسی گلی محلے یا بازار کا سین دکھایا جاتا ہے۔ تو اس میں چلنے پھرنے والے لوگوں کی اکثریت ایکسٹرا ہوتی ہے ــــ! وہ پان بیچنے والا ایکسٹرا ہے ــــ اور وہ جو دوکان پر کھڑا ہو کر "ایک پونا کالا کانڈی" پان کی فرمائش کر رہا ہے وہ بھی ایکسٹرا ہے ــــ بادشاہ کے درباری ایکسٹرا ہوتے ہیں۔ وہ دربان جو لال رنگ کا چوغا پہنے سنہرے رنگ کی موٹھ والی چھڑی ہاتھ میں لئے بادشاہ کے آگے چل رہا ہے اور بلند بانگ لہجہ میں

چلّا رہا ہے "باادب باملاحظہ ہوشیار" وہ بھی ایکسٹرا ہے ——— کبھی کبھی بادشاہ بھی ایکسٹرا ہوتے ہیں۔ جیسے وہ آجکل اکثر ملکوں میں ہوتے ہیں۔ یعنی سنہری وردی پہنے تخت پر بیٹھے ہیں۔ مگر مجال نہیں کہ اپنی مرضی سے اپنے جوتے کا تسمہ بھی کھول سکیں۔

مجھے آجکل کے بادشاہوں اور فلم کے ایکسٹرا لوگوں کو دیکھ کر بڑی ہمدردی ہوتی ہے —— مگر دراصل یہ لوگ کسی ہمدردی کے محتاج نہیں ہیں ——! فلم کے ایکسٹرا فلمی دنیا میں سب سے کم کماتے ہیں —— مہینے میں کسی کو پانچ دن تو کسی کو دس دن کام ملتا ہے۔ باقی دن یہ مانگے تانگے سے کسی طرح چلاتے ہیں۔ بھگوان ہی بہتر جانتا ہے —— مگر پھر بھی یہ فلمی دنیا سے الگ نہیں ہوسکتے —— کسی قیمت پر الگ نہیں ہوسکتے۔ اگر یقین نہ آئے تو کسی فلمی ایکسٹرا کو جو مہینے میں بڑی مشکل سے پچیس روپے کماتا ہے —— پچاس روپے کی دربانی پیش کرکے دیکھ لیجئے۔ وہ ٹھوکر مار دیگا۔ کام کو بھی اور آپ کو بھی —— اسے فلمی دنیا میں پانچ دن کام کرکے باقی پچیس دن بھوکا مرنا منظور ہے۔ مگر وہ کوئی اور کام نہیں کرسکتا۔

دراصل یہ ایکسٹرا وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو ہیرو یا ہیروین بننے کی خواہش میں ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھر چھوڑ کر اپنے ماں

باپ، بھائی بہن، خاوند بیوی، بچے سب چھوڑ کر بمبئی چلے آتے ہیں اور بھیڑوں کی طرح ایک سیٹ سے دوسرے سیٹ پر دھکیلے جاتے ہیں ـــــ ان میں سے ہر مرد یا عورت کی آنکھوں میں ایک خواب لیتا ہے کہ کبھی وہ ہیرو یا ہیروئن بن جائیں گے۔ اور بدقسمتی سے فلمی دنیا میں چند ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کبھی ایک ایکسٹرا دو سال تک ایکسٹرا رہا۔ پھر اچانک ہیرو بن گیا ـــ ایک لڑکی جو پانچ سال تک ایکسٹرا رہی اچانک ہیروئن بن گئی۔ اور اماپالہ میں بیٹھ گئی۔ اس لئے یہ خواب کسی ایکسٹرا کی آنکھوں سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔!

میں اپنے ایک فلمی ایکسٹرا دوست کو جانتا ہوں ـــــ آج سے دس سال پہلے وہ اپنی ذوسو کی ملازمت چھوڑ کر بمبئی میں ہیرو بننے کے لئے آیا تھا ـــــ اسکی شکل تو ادو بلاؤ ایسی ہے مگر بال دلیپ کمار ایسے رکھتا ہے اور اس لئے اپنے آپ کو کسی طرح دلیپ کمار سے کم نہیں سمجھتا ـــــ فلمی دنیا میں آتے ہی اسے جو پہلا کام ملا ـــ وہ لاٹھی اٹھا کر ایک ٹھاکر کے پیچھے چلنے کا تھا۔ دس سال بعد آج بھی وہ اسی طرح لاٹھی اٹھا کر اسٹوڈیو کے دروازے پر کھڑا نظر آتا ہے مگر فلمی دنیا سے باہر نہیں جائیگا۔

فلم کا ایکسٹرا آج کی دنیا کا ڈان کوئکسوٹ (DON QUIXOTE)

ہے ـــــــ وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے اور اپنی چاہت کا نیزہ ہاتھ میں لئے کسی چمکتی ہوئی ہوا چکی کے پیچھے ڈور رہا ہے ـــــ اسے اسکے خوابوں میں گرفتار رہنے دو۔ اور سبق سیکھو کہ

"ولف سے ایکسٹرا۔"

"ولف سے ایکسٹرا!"

بمبئی میں دساور سے آتا ہے۔ پنجاب سے آتا ہے اور یو، پی سے آتا ہے۔ اور جب سے فلم انڈسٹری میں بدصورت اداکاروں کی مانگ بڑھ گئی ہے تو حیدرآباد سے بھی آتا ہے۔ ایکسٹرا کا سینہ چوڑا، ٹانگیں پتلی، آنکھیں گھٹی ہوئی اور بھنویں منڈی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسکی جیب میں چنے اور منہ میں عبداللہ سگریٹ ہوتا ہے۔ اکثر او پین روڈ پر ٹہلتا نظر آتا ہے۔

ایکٹر ۲ قسم کا ہوتا ہے۔ چھوٹا ایکٹر اور بڑا ایکٹر ـــــ چھوٹے ایکٹر کا حال تو اوپر بیان ہو چکا ہے بڑے ایکٹر کا حال بتا ہوئے ذرا ڈر لگتا ہے۔

ایکٹر۔ ایکسٹرا سے اونچی ذات کا ہوتا ہے ـــــ اسے ہر وقت کلا کا کیرا کاٹتا رہتا ہے۔ آرٹ اور فن کے میدان

وہ ایکسٹر تو کجا کسی ہیرو یا ہیروین کو خاطر میں نہیں لاتا ـــــ اس کا خیال ہے کہ فلمی دنیا کا سارا بھرم اس کے دم سے قائم ہے ۔ اور یہ بات کچھ غلط بھی نہیں ہے، کیونکہ ایکٹر اپنے فن کا پجاری ہے اور فلم اپنے کمرشیل دھندوں کے باوجود ایک فن ہے جس کا پجاری ایکٹر ہے ۔ مگر ایکٹر بنتا اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک ڈاکٹر بننا۔ انجینئر بننا ـــــ اس میں علم اور تجربے کے ساتھ ساتھ خون پسینہ ایک کر دینا پڑتا ہے ۔ اس کام کے لئے دل اور روح کا انہماک چاہئیے اور برسوں کی ریاضت ـــ ہماری فلم انڈسٹری بھی اچھے ایکٹروں سے خالی نہیں ہے بلکہ بعض تو ان میں سے اتنے اچھے اور اپنے کام کے اتنے ماہر ہیں کہ دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے فلم ایکٹر کے مقابلے پر رکھے جا سکتے ہیں ـــــ مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ دل میں کام کی لگن ہو اور پیسے کا زیادہ لالچ نہ ہو ـــــ ست رنگی بش شرٹ پہننے سے اچھا ایکٹر نہیں بنتا، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایکٹر جذبات و احساسات کی ست رنگی دنیا پر قادر ہو۔

اس لئے کہو ـــــ الف سے ایکٹر!

"الف سے ایکٹرلیس"۔

ڈلف سے ایکٹریس:

کالی، پیلی، نیلی، گوری، اودی، عنابی ——— ایکٹریس ہر رنگ کی ہوتی ہے اور سحر ہونے تک ہر رنگ میں جلتی رہتی ہے ——— ایکٹریس بھی دساور سے آتی ہے اور اکثر حالتوں میں کسی کے ساتھ بھاگ کر آتی ہے اور بمبئی آکر کسی ہوٹل میں قیام کرتی ہے۔ اور اپنے زیور فروخت کر کے گذر کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ فلم کمپنی میں اپنا جسم بیچنے جاتی ہے ——— فلم کمپنی میں خوبصورت جسم کو آرٹ کہتے ہیں اور پروڈیوسر سے لے کر سیٹ کے چپراسی تک آرٹ کے شیدائی نظر آتے ہیں ——— ایکٹر کے مقابلے میں ایکٹریس بہت جلد ترقی کرتی ہے اور جتنی زیادہ خوب صورت ہو گی اتنی ہی جلدی ترقی کرلے گی۔ بعض ایکٹرسوں کو ہیروین بننے میں کئی سال لگ جاتا ہے۔ لیکن کئی ایک خوش قسمت ایکٹریس ایسی بھی ہیں جو ایک ہی رات میں کامیابی کے تمام مراحل طے کرلیتی ہیں۔ ہر فلم کمپنی ایکٹریس پر چلتی ہے ——— فلمی زندگی کا محور یہی تھالہ ہے۔!

ایکٹروں کی طرح ایکٹریس بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔ چھوٹی اور بڑی ——— ! چھوٹی ایکٹریس اکثر اپنے بھائی یا شوہر کے ساتھ دیکھی جاتی ہے ——— بڑی ایکٹریس پروڈیوسر کی کار میں۔ کیونکہ اس کا کوئی

شوہر نہیں ہوتا، کوئی بھائی نہیں ہوتا ـــــــ بڑی ایکٹریس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سیٹ پر آکر سو جاتی ہے اور اس کا موڈ اکثر بگڑ جاتا ہے۔!

"وُلف سے اوٹ!"

فلمی پردے کی اوٹ میں کیا ہوتا ہے۔ یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے جگمگاتے ہوئے فلمی پردے کے پیچھے کتنا اندھیرا ہے اس کا بیان بہت مشکل ہے۔ پردے کی اوٹ میں ہیرو اور ہیروین شاید ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں ـــــ لیکن پردے پر آکر ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور ہیں ـــــ! ایک ایکسٹرا دو دن کا بھوکا ہے لیکن فلم کے پردے پر وہ کھانے سے بھری ہوئی تھالی کو ٹھوکر مارنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ اسے پارٹ ہی ایسا دیا گیا ہے! وہ عورت جو فلم میں ایک شریف گرہستن بنی ہوئی اپنے خاوند سے لاتیں کھا رہی ہے گھر جا کر ہر روز اپنے شوہر کو پیٹتی ہے!

اس لئے صرف پردے کی چمک ہی کو مت دیکھو ـــــ

اس کی اوٹ کو بھی یاد رکھو اور کہو۔

"ولف سے اوٹ۔!"

"ولف اشتہار"

کوئی فلم اشتہار کے بغیر نہیں چلتی۔ فلم بنانے سے پہلے اشتہار دینا پڑتا ہے۔ فلم بننے کے بیچ میں اشتہار دینا پڑتا ہے۔ فلم بننے کے بعد تو دھڑا دھڑ اشتہار دینے پڑتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے فلم کی کامیابی کا یہ فارمولا بنا رکھا ہے۔

ہیرو ـــــ ہیروئین ـــــ اور اشتہار!

ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو فلمی ہیرو اور ہیروئین sex اور گلیمر کے اشتہار ہے باقی سب آزاد ہے۔

اس لئے بعض فلمسٹار۔ اشتہار کے لالچ میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ ان کی ساری زندگی ایک کھلا اشتہار معلوم ہوتی ہے وہ انسان نہیں۔ اخبار کا ایک ورق معلوم ہوتے ہیں

"ب سے بالوجی۔"!

ہر فلمی عورت جس کا سماجی درجہ ہیروئین سے کم ہوتا ہے
وہ اپنے ساتھ ایک بالوجی لئے پھرتی ہے —— یہ بالوجی بیک وقت
خاوند، پہرہ دار، عاشق اور غنڈے کے فرائض انجام دیتا
ہے اور بلاتفریق مذہب و ملت انجام دیتا ہے —— بالوجی ہندو
بھی ہوتا ہے۔ مسلمان بھی ہوتا ہے۔ عیسائی بھی ہوتا ہے اور اگر ضرورت
آپڑے تو سکھ بھی بن جاتا ہے —— اپنے گھر میں دھوتی،
پائجامہ اور شلوار وغیرہ میں ملبوس دیکھا جاتا ہے لیکن اسٹوڈیو میں
کوٹ پتلون پہنے نظر آتا ہے —— کلائی پر سونے کی گھڑی، ہاتھ
میں 555 کا ڈبہ اور گلے میں سرخ رومال باندھے رکھتا ہے۔ گھر
پر فلمی لڑکی کا سگا بھائی ہوتا ہے۔ اس کا باپ ہوتا ہے۔ ڈرائیور
ہوتا ہے۔ باورچی بھی ہوتا ہے —— لیکن اسٹوڈیو میں آکر صرف
بالوجی کہلاتا ہے۔ پروڈیوسر لوگ اس خطرے کی جھنڈی سے بہت
بدکتے ہیں اور اسے منہ مانگی تنخواہ دیتے ہیں۔ جس کا فلمی لڑکی کے
کانٹریکٹ میں کوئی ذکر نہیں ہوتا —— عشق کی طرح بالوجی پر بھی
زور نہیں ہے کیونکہ یہ وہ آتش ہے غالب جو لگائے نہ لگے اور

بجھائے نہ بنے

"پھر بے سے بمبئی"!

جو ہندوستانی فلمی صنعت کا مرکز ہے ـــــ ب سے بنڈل ہے جو بمبئی کے فلمی عوام کا نعرہ ہے........ یہ پکچر کیا؟ بنڈل! یہ ڈائریکٹر کیسا؟ بنڈل! یہ گانا کیسا؟ بنڈل! یہ ایکٹر کیسا؟ بنڈل! ـــــ الغرض جو کچھ آپ ناپسند فرمائیں وہ بنڈل بلکہ "بوگس" ہے۔ بکواس ہے ـــــ اب ب سے بلیک میلر ہے۔ ب سے بابو راؤ پٹیل بھی ہے، جو نہ بنڈل ہے نہ بوگس، اور اپنے نام کے آگے بابو لفظ رکھتے ہوئے بھی بابوجی نہیں ہے بلکہ ایک معروف رسالے کا ایڈیٹر ہے ـــ!

"بھ سے بھروسہ ـــــ ہنڈریڈ پرسینٹ"

زندگی میں کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے یہ بھروسہ کبھی تو ادھ کچرا ہوتا ہے۔ کبھی نامکمل سا۔ کبھی یوں ہی سا کبھی پورا کا پورا۔ یہ زندگی کے حالات پر منحصر ہے۔ کہ کن حالات

میں کتنا بھروسہ ہوتا ہے ۔ مگر فلمی زندگی میں ہمیشہ بھروسہ رکھنا پڑتا ہے ۔ اور ادھ کچرا نہیں ، بلکہ بالکل مکمل بھروسہ کرنا پڑتا ہے ۔ فلمی اصطلاح میں اسے ہنڈریڈ پرسینٹ بھروسہ کہتے ہیں ۔

مثال کے طور پر ایک ایکٹر کسی فلم پروڈیوسر کے دفتر میں گیا دونوں نے ہاتھ ملائے ۔ گلے ملے ۔ ایک دوسرے کا منہ چوما ۔ پھر ایکٹر نے فلم پروڈیوسر کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا ۔

"پیارے سنا ہے پکچر شروع کر رہا ہے ۔ ؟"

"ہاں میری جان ۔"

"تو ہمیں کام نہیں دے گا ڈارلنگ" ؟

"پکچر کس کے لئے بنا رہا ہوں سویٹ ہارٹ ؟"

"تو میرا رول کدھر ہے بنی ۔ ؟"

"ادھر ہے جانی !" فلم پروڈیوسر نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا ۔ " اگلے بدھ کو آ جاؤ اور کانٹریکٹ سائن کر جاؤ پیارے ۔"

"پکا ـــــ ؟"

"بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ !"

اگلے بدھ کو ٹھیک وقت پر ایکٹر فلم پروڈیوسر کے گھر

پہنچ گیا۔ فلم پروڈیوسر کسی ضروری کام سے عین اسی وقت چلا گیا تھا مگر ایکٹر کے لئے پیغام رکھ گیا تھا۔

اگلے بدھ کو ضرور آجانا، تمہارا کام ہو جائے گا۔ بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ!"

ایکٹر اگلے بدھ کو بھی گیا۔ اس سے اگلے بدھ کو بھی۔ اتنے بدھ کو گیا کہ اس کی ساری بدھ سدھ ماری گئی اور کام پھر بھی نہیں ملا ——— فلم پروڈیوسر نے دوسری فلم شروع کر دی۔ اب اس دوسری فلم میں اس ایکٹر سے وعدہ کر لیا گیا ہے کہ کام ضرور ملے گا .... بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ ہے!

یہ بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ بڑی خطرناک چیز ہے۔ فلمی دنیا میں جہاں کسی نے آپ سے کہا ——— بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ .... سمجھ لو آپ کا کام نہیں ہوگا۔

اگر بھروسہ ففٹی پرسینٹ ہو یا اس سے بھی کم ہو تو کام ہونے کا چانس زیادہ ہے۔

لیکن اگر کہیں خدا نہ کرے "بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ ہو گیا زندگی بھر جو آپ کا وہ کام ہو جائے

اس لئے فلم میں آنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نہ

کسی دوسرے پر بھروسہ کریں۔ ہنڈریڈ پرسینٹ۔ نہ اپنے آپ پر بھروسہ کریں۔ ہنڈریڈ پرسینٹ۔ اگر آپ یوں سوچکر آگے بڑھیں گے تو ضرور کامیاب ہونگے۔

بس یہی ایک گُر کی بات ہے۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے ــــ ہنڈریڈ پرسینٹ۔

بھروسہ ہنڈریڈ پرسینٹ

ــــ ⁝ ــــ

ٹپ سے پروڈیوسر!

پروڈیوسر فلم بنانے والے کو کہتے ہیں۔ مگر کیوں کہتے ہیں؟ یہ بات آجتک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ آجکل ایک پروڈیوسر فلم کو کم بناتا ہے ــــ قرضہ زیادہ چڑھاتا ہے۔ فلم بناتے وقت بڑے بڑے آرٹسٹوں کو بڑی بڑی تھلیاں دینے کے بعد اس بیچارے کے پاس بچتا ہی کیا ہے۔؟

ایک زمانہ تھا کہ فلم انڈسٹری میں پروڈیوسر کی بڑی دھوم تھی۔ فلم کمپنی کے دفتر میں اسٹوڈیو میں۔ سیٹ پر لوگ اسے دیکھتے ہی رعب سے کانپتے تھے۔ ہیرو اور ہیروئین موسیقار

اور شاعر ہاتھ جوڑ کر سلام کرتے تھے۔ جدھر سے وہ گزرتا تھا لوگ اس کے سامنے جھک جاتے تھے۔ آج جدھر سے وہ گزرتا ہے اسے جھکنا پڑتا ہے۔

اسٹوڈیو میں ہیرو اپنی لمبی گاڑی سے پہچانا جاتا ہے۔ ہیروین اپنی اماں سے پہچانی جاتی ہے ——— پروڈیوسر کو پہچاننے کا طریقہ بہت آسان ہے۔ اگر کسی فلم کی شوٹنگ کے دوران میں آپ کو کوئی ایسا آدمی نظر آئے۔ جو سب سے اداس پریشان، بیحال، دکھی، مظلوم، مجبور، ڈرا اور سہما ہوا دکھائی دے تو سمجھ لیجئے کہ یہی اس فلم کا پروڈیوسر ہے۔

جو اناڑی باہر سے آتے ہیں۔ پروڈیوسر بننے کا شوق اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ مگر نہیں جانتے کہ پروڈیوسر بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ کو قارون کا خزانہ، سقیر کا دماغ اور کسی مہارشی کا گیان حاصل ہو ——— اگر آپ میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں تو آپ پروڈیوسر بن سکتے ہیں اور فلم کمپنی کے بورڈ پر لکھ بھی سکتے ہیں۔

پ سے پروڈیوسر!

"ت سے تقدیر۔!"

ت سے تقدیر ہوتی ہے جس کے بنا کوئی تصویر نہیں چلتی ہے
کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تصویر دلیپ کمار سے چلتی ہے یا راجکپور سے
یا دیو آنند سے یا وجینتی مالا سے یا مینا کماری سے کچھ لوگ سمجھتے ہیں
کہ تصویر مکھ رام شرما کی کہانی سے چلتی ہے یا بمل رائے
کی ڈائریکشن سے یا نوشاد کے سنگیت سے یا مجروح اور شیلندر
کے گانوں سے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر تصویر کو اچھی پبلسیٹی مل
جائے اور وہ کسی بڑے سینما ہال میں لگادی جائے تو خودبخود چل
جاتی ہے۔ مگر یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اصل میں تصویر صرف تقدیر
سے چلتی ہے۔!

اور تقدیر کا ٹھیکہ بمبئی میں دو سادھوؤں نے لے رکھا
ہے۔ ایک ہیں بھجنگ بابا —— دوسرے ہیں دنبگ بابا۔ سب
فلم والے اپنی تقدیر پوچھنے کے لئے انہی دو باباؤں کے پاس جاتے
ہیں اور ان سے اپنی تقدیر کا کوٹہ لے کر آتے ہیں۔ کسی کو کم ملتا ہے
کسی کو زیادہ۔ مگر ملتا انہی سے ہے —— ان دونوں باباؤں
کے دیواستھان الگ الگ مقررہ ہیں۔

ادھر فلم بنانے والے بھجنگ بابا کے قائل ہیں۔ ادھر دبنگ بابا کے ـــــ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک فلم بنانے والا جو اس سے پہلے بھجنگ بابا کا قائل تھا۔ اپنی فلم کے فیل ہو جانے پر دبنگ بابا کی شرن میں چلا جاتا ہے اور دبنگ بابا کو ماننے والا ان سے نا امید ہو کر بھجنگ بابا کا مرید ہو جاتا ہے مگر اس سے چڑھاووں کی مجموعی تعداد میں کیا فرق پڑتا ہے۔ ؟

پچھلے سال سے ایک اور بابا وارد ہوئے ہیں ....

کلنگ بابا ـــــ پہلے انہوں نے اپنی کٹیا بھجنگ بابا کے دیو استھان کے سامنے بنائی۔ مگر دوسرے دن اکھاڑ کر پھینک دی گئی۔ پھر انہوں نے دبنگ بابا کے سامنے جا کے دھونی رمائی وہاں سے بھی بہ یک بینی ڈو گوش نکالے گئے۔

اب یہ شہر سے چھ میل باہر ندی کے کنارے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھے ہیں۔ اور اب ان کا دھندا بھی چل نکلا ہے۔ وہ بات تو نہیں ہے جو بھجنگ بابا یا دبنگ بابا میں ہے۔ مگر ہاں چھوٹی چھوٹی تیسرے درجہ کی فلمیں بنانے والے اس تیسرے بابا کے پاس جانے لگے ہیں۔ اور اپنی تقدیر کی مرمت کرانے لگے ہیں۔

مگر اتنی بڑی فلم انڈسٹری کے لئے تین سادھو بہت

کم ہیں۔ سوچتا ہوں میں تپنگ بابا بن جاؤں۔ سر پر راکھ اور منہ میں خاک ڈال کر لوگوں پر اپنی دھاک جماؤں اور جھٹکی دیکر کہوں "لے بچہ"۔

ت سے تقدیر........!

ت سے تکون!

ایک جیومٹری کی تکون ہوتی ہے ایک محبت کی تکون ہوتی ہے جیسے ہیرو ہیروین اور ہوٹل ——— یہ تینوں مل کر محبت کی تکون بناتے ہیں۔ جیسے ولن، الیکٹر الرٹکی اور سمندر مل کر محبت کی دوسری تکون بنتی ہے

ایک تکون کہانی میں بنائی جاتی ہے۔ جیسے ہیرو ہیروئین ولن۔ کبھی ولن ایک آدمی ہوتا ہے۔ کبھی سماج ہوتا ہے، کبھی حالات ہوتے ہیں کبھی کوئی حادثہ ہوتا ہے۔ یہ ولن ہیرو اور ہیروئین کو ملنے نہیں دیتا اس کی وجہ سے تکون کھڑی رہتی ہے ——— ولن کو ہٹا دیجئے تکون بیٹھ جائے گی اور فلم بھی پہلے سین بھی ختم ہو جائے گی۔ اس لئے ہر کہانی میں تکون کا

ہونا ضروری ہے۔

ایک تکون فلمی بزنس کی بھی ہوتی ہے۔ جیسے فنانسر پروڈیوسر۔ ڈسٹری بیوٹر! اس تکون میں پروڈیوسر اور ڈسٹری بیوٹر دونوں مل کر کے فنانسر کے برابر ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اس تکون میں کوئی ہیروین آجاتی ہے اور تکون کی بجائے چوکون بن جاتی ہے اور فلم نامکمل رہ جاتی ہے کیونکہ چوکون سے جیومیٹری کی شکل تو بن سکتی ہے فلم نہیں بن سکتی فلم کیلئے صرف تکون چاہیئے۔

پرانے شاستروں میں لکھا ہے کہ یہ دنیا ایک بیل کے سینگ پر کھڑی ہے پتہ نہیں یہ خبر کہاں تک صحیح ہے لیکن یہ تو بالکل سچ ہے کہ ہماری فلم انڈسٹری محبت کی تکون پر کھڑی ہے۔

اس لئے اگر فلم بنانا ہے تو ایک طرف سے ہیرو کو لایئے دوسری طرف سے ہیروین کو بیچ میں ولن کو بٹھایئے اور کہیئے۔!

"ت سے تکون"

تھوڑسے تھیلی ۔!

تھوڑسے تھیلی ہوتی ہے، مگر نظر کس کو آتی ہے اور ملتی کس کو ہے ۔؟ سارا جھگڑا اسی تھیلی کا ہے اس دنیا میں! فلم والے بھی اس دنیا سے باہر نہیں ہیں ۔ اس لئے ہر وقت تھیلی کی فکر میں رہتے ہیں وہ نہ تو عوام کا اخلاق سدھارنے کے لئے پکچر بناتے ہیں نہ اپنے ذوق نشاط کو سنوارنے کے لئے ــــــ وہ صرف تھیلی کیلئے فلم بناتے ہیں ۔!

مجنون جنگل میں لیلیٰ لیلیٰ کرتا گھومتا تھا ۔ فلمی جنگل کے مجنون تھیلی تھیلی کہتے گھومتے ہیں ــــــ لیلیٰ کا ملنا آسان ہے مگر تھیلی کا ملنا بہت مشکل ہے ۔ اس لئے فلمی دنیا میں اکثر لوگوں کی زندگی ایک تھیلی سے شروع ہوتی ہے اور ایک تھیلے پر ختم ہوتی ہے جس میں وہ گھر کے لئے سبزی ترکاری بھر کر اپنی کمر سے لٹکائے بازاروں میں گھومتے ہیں ۔ اور بہ زبان حال کہتے ہیں ۔

مانگی تھوڑسے تھیلی ، مل گیا تھیلا ۔!

ٹ سے ٹاکی

آجکل کی فلموں کو ٹاکی کہا جاتا ہے۔ یعنی بولتی فلمیں ! ا
ایک زمانہ میں سائلینٹ یعنی خاموش فلمیں بنتی تھیں۔ جن کا او
کوئی فائدہ ہو نہ ہو ـــــ ایک فائدہ ضرور تھا کہ ان فلموں میں عورت
بول نہیں سکتی تھی ! اور میرے خیال میں دنیا میں یہی ایک جگہ
ایسی تھی جہاں عورت بول نہیں سکتی تھی۔ اسی لئے اس زمانے میں
شریف گھر کی جمائیں جمائیں سے گھبرا کر سینما ہال کا رخ کرتے تھے
اور ٹکٹ خرید کر تین گھنٹے تک ایک خوبصورت عورت کو چپ
چاپ فلم میں کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے ـــــ آجکل تین
گھنٹے تو کیا تین منٹ تک خاموش رہنے والی عورت کا ملنا مشکل ہے۔
کیونکہ آجکل فلمیں بولنے لگی ہیں اور بولنے والی فلموں میں بھی آجکل
ایسے ٹائپ کی فلمیں بننے لگی ہیں جنہیں فیملی پکچرز کہا جاتا ہے۔ ان
فلموں میں نہ صرف عورت بولتی ہے بلکہ اس کے بچے بھی بولتے ہیں۔
اسکی بہنیں بھی بولتی ہیں۔ اس کے ماں باپ، ساس، سسر، بھائی
بھتیجے، نندیں، بھابھیاں سب کبھی باری باری اور کبھی اکٹھی
بولتی ہیں۔ اور سینما دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ جس گھر سے

وہ بھاگ کر آیا تھا پھر اسی گھر میں لوٹ گیا ہے۔

بولنے والی فلموں کے بعد سنا ہے اب سونگھنے والی فلمیں Smellien بننے لگی ہیں ـــــ ان فلموں میں جب ہیروین اپنے کپڑوں میں عطر لگائے گی تو اس کی خوشبو، آپ تک پہنچا دی جائیگی، جب ہیرو کسی ہوٹل میں کھانا کھائے گا۔ تو کھانے کی خوشبو آپ تک آجائے گی کسی باغ کا منظر دیکھ کر آپ نہ صرف مختلف پھولوں کو دیکھ سکیں گے بلکہ انکی خوشبو بھی سونگھ سکیں گے۔ ایسی فلمیں تیار ہو رہی ہیں۔

اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ سونگھنے والی فلموں کے بعد ایسی فلمیں تیار ہونے لگیں جنکو کھانے پینے والی" فلمیں کہا جا سکے یعنی ادھر ہیرو نے گلاس اٹھایا ادھر جام آپ تک پہنچ گیا۔ ہیروین نے تھالی پر دسی اور کھانا آپ تک پہنچ گیا۔ ممکن ہے اس وقت لوگ فلم دیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنا لنچ اور ڈنر بھی سینما ہال میں کھایا کریں گے۔

مگر وہ زمانہ ابھی دور ہے۔ ابھی تو بولنے والی فلمیں دیکھئے اور سنیئے۔ اور اس کے بعد اگر ہمت ہو تو کہیئے۔

نٹ سے ٹاکی۔!

"ٹھگ سے ٹھگ"

آپ نے بنارسی ٹھگ کا نام سنا ہو گا۔ میں نے بھی بچپن سے سن رکھا تھا۔ لیکن دیکھا نہیں تھا۔ اس لئے ایک دفعہ میں اپنے دفتر سے تین مہینے کی چھٹی لے کر بنارس گیا۔ ٹھگ دیکھنے کے لئے! سارا بنارس چھان مارا، کہیں پر کوئی ٹھگ نہیں ملا۔ آخر ترکو کی گھاٹ پر گنگا کے کنارے مجھے ایک ٹھگ رام رام جپتا ہوا مل گیا کیونکہ وہ ٹھگی چھوڑ چکا تھا ——! جب اس نے میری بپتا سنی تو اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بڑی شفقت سے بولا "بیٹا تیری تلاش فضول ہے۔ تجھے اب بنارس میں کوئی ٹھگ نہیں ملے گا کیونکہ بنارس میں جتنے ٹھگ تھے، سب کے سب بمبئی چلے گئے ہیں فلمی دنیا میں —— تو اگر سچ مچ ٹھگ کو دیکھنا چاہتا ہے تو ٹکٹ کٹا کر ابھی بمبئی چلا جا —— وہیں تیرے من کی مراد پوری ہو گی۔

میں نے اس بڈھے نیک ٹھگ کے آگے سیس نوایا اور اسی وقت اسٹیشن آیا —— اور بمبئی کا ٹکٹ کٹانے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا۔ بٹوا غائب ہے

خیر میں کسی نہ کسی طرح بمبئی سے پہنچ گیا۔ بمبئی سینٹرل۔

کے باہر نکلتے ہی مجھے ایک آدمی نے گھیر لیا۔ بولا۔

"ہیرو بنے گا۔؟"

میں نے کہا۔ "میرا چہرہ تو گھوڑے کے موافق ہے میں کیسے ہیرو بنے گا۔؟"

وہ بولا۔ "فائدہ نہیں!" پھر میری بیوی کی طرف دیکھ کر بولا

"اپنی بی بی کو ہیروئین بنائے گا۔؟"

میں نے کہا۔

"یہ بیچاری چھ بچوں کی ماں ہے"!

"فائدہ نہیں۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ تیرے بچوں کو فلم میں کام دلائے گا ——— ڈیری ایرانی بنا دیگا۔!

میں نے کہا

"میرے سب بچے اسکول جاتے ہیں۔!"

وہ بولا۔ "فائدہ نہیں! ——— پھر میرے بالکل قریب آکر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا ——— پکچر بنائے گا۔؟"

میں نے کہا۔ "پکچر کتنے میں بنتی ہے۔

پانچ لاکھ بیں بھی بنتی ہے اور پچاس لاکھ بیں بھی بنتی ہے
وہ بولا۔

"میرے پاس تو پانچ ہزار بھی نہیں۔!"

"واندہ نہیں۔" وہ بولا۔ تم تین ہزار نکالو۔ بقیہ باقی کا پارٹنر لاکے دیتا ہے۔!"

"مگر میرے پاس تو تین سو بھی نہیں ہیں۔!"

اس نے تیز چبھتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ایک انگلی اٹھاکر بولا "سیٹھ تیرے مستک پر سلور جبلی لکھا ہے۔ تو پکچر بنائے گا۔ تو لاکھوں کمائے گا۔ اس لئے بولتا ہے ہم تم کو...... لا تیس روپے ہی نکال۔ ہم باقی کا ایڈوانس اپنی جیب سے ڈال کر فیمس بلڈنگ میں تیری فلم کمپنی کا پاٹیہ لگاتا ہے ــــــ تیرا نام کیا ہے؟"

"گھاسی رام"!

"بہت اچھا نام ہے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا "ہم تیرے نام پر تیری فلم کمپنی کا نام رکھے گا۔" دی گریٹ گھاس لیٹ کمپنی اف مووی میکرز!" بول کیسا نام ہے۔؟"

"بہت اچھا نام ہے، مگر میرے پاس تیس روپے بھی نہیں ہیں۔ صرف پانچ روپے ہیں۔!"

"تیرنے مستک پر سلور جوبلی لکھا ہے۔ اس لئے ہم تیرے سنگ اتنا ماتھا پھوڑی کرتا ہے۔ ورنہ ہم تیرے سنگ بات نہیں کرتا تھا وہ آدمی بڑی شفقت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا" اچھا — پانچ روپے ہی نکال۔ گاڑی بھاڑا کے لئے —— ہم ابھی ٹیکسی لے کے جاتا ہے اور ایک والا کو لے کے آتا ہے۔ جو باقی پانچ لاکھ کا بندوبست کریگا۔ تیری فلم کمپنی کے لئے۔!"

جب وہ مجھ سے پانچ روپے لے چکا۔ تو بولا "ہم ابھی آدھے کلاک میں آتا ہے۔!"

وہ چلا گیا اور مجھے پانچ لاکھ کے سپنوں میں کھویا ہوا چھوڑ گیا۔ میں نے طے کیا کہ ان پانچ لاکھ میں سے سب سے پہلے اپنے لئے ایک گاڑی لوں گا۔ پھر ایک فلیٹ لوں گا۔ پھر سوچنے لگا کہ میں اپنی فلم میں سادھنا کو لوں کہ آشا پاریکھ کو۔؟ اسی ادھیڑ بن میں آدھا کلاک گزر گیا۔ پھر پورا کلاک گزر گیا۔ پھر سارے کلاک کی ساری سوئیاں گھوم گئیں۔ مگر وہ نہ آیا میرے من کا میت! تو میں نے بھوک سے چلا کر کہا۔

ٹھگ سے ٹھگ۔!

"ثبوت سے ثبوت !"

اگر آپ وکیلوں کا گون پہن کر ہائی کورٹ میں جرح کرنے جاتے ہیں۔ تو یہ کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ آپ ایل، ایل، بی ہیں اور آپ کے پاس قانون کی ڈگری موجود ہے۔

لیکن اگر آپ کسی فلم کے پروڈیوسر ہیں۔ تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ آپ کے پاس فلم کے آرٹ کی کسی طرح کی جانکاری موجود ہے یا کسی قسم کا فلمی تجربہ، یا اسکی ٹیکنیک سے واقفیت یہ محض اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ نے یا تو کسی تگڑے سیٹھ کو پھانس لیا ہے یا آپکے ہیرو کیر والا کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے اور یا کہیں سے بلیک کا بڑا ہاتھ لگا ہے۔

فلمی دنیا میں اس طرح کے اور بھی بہت سے ثبوت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ کے پاس ایک گاڑی ہے۔ تو یہ کسی امر کا ثبوت نہیں ہے فلمی دنیا میں گاڑی تو ہر جانے پہچانے آدمی کے پاس ہوتی ہے۔

لیکن اگر آپ کے پاس ایک کیڈلاک ہے تو آپ یقیناً اچھے فن کار ہیں۔ شیورلیٹ ہے تو بڑے فن کار ہیں۔ اور اگر امپالہ ہے تو اس کا عظیم ثبوت ہے کہ آپ ایک عظیم فن کار ہیں۔

اگر آپ کسی فلمی رسالے میں کسی پروڈیوسر کا یہ اعلان پڑھیں

کہ میں تو فلاں ہیروئین کو اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا ہوں۔ یا اگر کوئی ہیرو اعلان کر دے کہ فلاں ہیروئین کو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔ تو یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

اگر کوئی ہیروئین یہ بیان دے کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہے، اور اس کے متعلق شادی کی جو افواہیں مشہور ہو رہی ہیں وہ سب غلط ہیں۔ تو یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ اس ہیروئین کی شادی ہو چکی ہے۔

فلمی دنیا میں جو کہا جاتا ہے وہ ثبوت نہیں ہوتا۔ بلکہ جو نہیں کہا جاتا وہ ثبوت ہوتا ہے۔

"ث سے ثبوت"

"ج سے جادو۔!"

جادو کی فلمیں بہت بنتی ہیں ہمارے دیش میں کیونکہ اس دیش میں کاہل اور کام چور بہت رہتے ہیں۔ اس لئے ہر کام جادو کے چھو منتر سے کرا لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے ایسی فلمیں دیکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے کیلئے ان میں جادو کے

کا کام بہت دکھایا جاتا ہے۔ منتر پڑھا۔ تو ہیرو ہوا میں اڑنے لگا۔ منتر پڑھا۔ تو ہیروئین کا محل اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی پہاڑ کی چوٹی سے جا لگا ——— منتر پڑھا۔ تو پانی کا دریا آگ کے دریا میں تبدیل ہو گیا۔ ایسی فلموں میں آدمی کچھ کام نہیں کرتے۔ وہ صرف منتر پڑھتے ہیں باقی سب کام جن کرتے ہیں ——— وہی سڑکیں بناتے ہیں وہی عمارتیں وہی پہاڑ کاٹتے ہیں اور سمندروں پر پل باندھتے ہیں۔ آدمی صرف محبت کرتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔

ایسی فلموں میں ہیرو یا ہیروئین کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر ہیرو کسی وجہ سے اکڑنے لگتا ہے تو اسے فوراً جادو کا ڈنڈا دکھا کے مکھی بنا دیا جاتا ہے ہیروئین نخرے دکھانے لگتی ہے تو اسے جادو کے زور سے مینا بنا کر کسی پنجرے میں ڈال دیا جاتا ہے اب کرو نخرے! ساری فلم میں پنجرے میں ٹنگی ٹنگی رویا کرو گی۔! اسی لئے تو بڑے بڑے اداکار جادو کی کسی فلم میں کام نہیں کرنا پسند کرتے! کیونکہ وہاں نخرے دکھانے کا موقعہ نہیں ملتا۔؟

ج سے جوتشی بھی ہوتا ہے۔ جس کے بغیر جیوتشی

فلم کا کوئی کام شروع نہیں ہو سکتا ــــ فلم کا مہورت جیوتشی طے کرتا ہے۔ ریلیز جیوتشی طے کرتا ہے پریمیئر جیوتشی طے کرتا ہے۔ کس ہیروئن کے ساتھ کون سی ہیروئن چلے گی۔؟ ــــ وہ جیوتشی طے کرتا ہے ــــ فلم کتنے ہفتے چلے گی۔؟ وہ جیوتشی طے کرتا ہے۔ اگر نہیں چلی تو کس "گرہ" کی وجہ سے نہیں چلی، تو وہ بھی جیوتشی طے کرتا ہے اور بے چارا پروڈیوسر طے کرتا ہے۔؟ ــــ کہ وہ اور کر بھی کیا سکتا ہے۔؟

فلمی جگت میں دو طرح کے جیوتشی پائے جاتے ہیں پرانے ــــ وہ جو آسمان کے ستاروں کو دیکھ کر کنڈلی بناتے ہیں ــــ نئے ...... وہ جو فلم کے ستاروں کو دیکھ کر نکشتر جاتے ہیں۔!

پرانے کہتے ہیں "آٹھویں گھر میں سورج ہے چھٹے میں چندرماں ہے۔ نویں میں بدھ ہے اور پانچویں میں برہسپت ہے۔ پکچر ضرور سلور جبلی کرے گی۔!"

نئے کہتے ہیں۔ "پہلے گھر میں دلیپ ہے دوسرے میں وحیدہ رحمان ہے تیسرے میں پران چوتھے میں جانی واکر ہے، پانچویں میں ٹیکنی کلر ہے۔ چھٹے میں ایس ڈی برمن ہے ــــ پکچر چلے ہی چلے۔!

آجکل پرانے جیوتشیوں کی جگہ نئے جیوتشی لے رہے ہیں اگر تم فلمی ستاروں کی چال سمجھتے ہو۔ اور کسی بڑے فلمی ستارے کو کسی فلمی کنڈلی کے گھر میں بٹھا سکتے ہو۔ تو تمہارا مستقبل محفوظ ہے۔ پھر زندگی بھر نہ راہو اور کیتو تمہارے گھر کی طرف نہ دیکھیں گے۔!

اب جی چاہے تو ج سے کہو جادوٹ ـــــ جی چاہے تو ج سے کہو جیوتشی ـــــ ایک ہی بات ہے۔!

"جھ سے جہانسہ۔!"

اسے سمجھنے کے لئے ایک گفتگو کا ٹیپ ریکارڈ سنو! ایک فلم کمپنی کے مالک اور جگن بھائی دلال کے درمیان ....

مالک :۔ جگن بھائی۔ اپنی نئی پکچر کے لئے راجکپور کو لینا چاہتا ہوں۔ تمہارے تعلقات کیسے ہیں اس سے۔؟

جگن :۔ راجکپور تو سدا اپنی جیب میں رہتا ہے۔!

مالک :۔ اور وجنتی مالا۔؟

جگن :۔ وہ تو اپنی مٹھی میں ہے۔!

مالک :۔ اور پران ۔؟

جگن :۔ اجی پران تو اپنا لنگوٹیا ہے ۔!

مالک :۔ اور نیواڑی ۔؟

جگن :۔ نیواڑی تو اپنا بچہ ہے ۔!

مالک :۔ مگر میری کہانی میں دو ہیرو ہیں ....(سوچکر) دلیپ آنند کیسا رہے گا

جگن :۔ لے لو.......... میں تو اپنی ایک جیب میں دیو آنند کو رکھتا ہوں ۔ دوسری جیب میں راجکپور کو !

مالک :۔ ذرا اپنی جیب تو دکھاؤ ۔؟

جگن :۔ (گھبرا کر) کیا مطلب ۔؟

کمپنی کا مالک جلدی سے جگن بھائی کی پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کے انہیں الٹ دیتا ہے ۔)

مالک :۔ ارے جگن بھائی ۔ تمہاری جیب میں تو صرف ۲ دو کھوٹی چونیاں ہیں ۔!

یہ فلمی جھانسے کی ایک معمولی سی مثال ہے ۔ زندگی کے دوسرے کاروبار میں بھی جھانسہ ہوتا ہے ۔ مگر کبھی کبھی ہوتا ہے ۔ اور بڑا خطرناک ہوتا ہے ۔ مگر فلمی دنیا کے داؤ کا ہر پانسہ ایک جھانسہ ہوتا ہے

اور بے حد معصوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جھانسہ دینے والا جانتا ہے کہ وہ جھانسہ دے رہا ہے۔ اور جس کو جھانسہ دیا جارہا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ مجھے جھانسہ دیا جارہا ہے۔ اس لئے کسی کو کسی سے نقصان نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ فلمی دنیا میں کسی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کوئی جھانسہ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ محض ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ اس لئے بچو؟ تم بھی خوش ہوکر یہ کھیل کھیلو ——— اور کہو۔

"جھو سے جھانسہ۔!"

"چچ سے چمچہ۔!"

یہ وہ چمچہ نہیں ہے جو چائے میں شکر انڈیلتا ہے بلکہ وہ چمچہ ہے جو ہوتا تو آدمی ہے لیکن ہر وقت پروڈیوسر، ہیرو ہیروئین یا اپنے سے کسی بھی اونچے درجے کے آدمی کے کان میں شکر انڈیلتا رہتا ہے۔ اور میٹھی میٹھی باتوں کا شہد گھولتا رہتا ہے متواتر شکر انڈیلنے سے اس کی شکل بھی بالکل چمچے کی طرح ہوجاتی ہے اسی لئے فلم کی اصطلاح میں ایسے آدمیوں کو چمچہ کہتے ہیں۔

ہر بڑا آدمی اپنی گاڑی کی لمبائی اور اپنے چمچوں کی تعداد سے پہچانا جاتا ہے۔

معمولی بڑا آدمی ایک آدھ چمچہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بہت بڑا آدمی درجن چمچے ہر وقت اپنی گاڑی میں ٹھونسائے رہتا ہے متواتر شکر کھانے سے بڑے آدمیوں کو اکثر ذہنی ذیابیطس Mental Diabetise کی بیماری ہو جاتی ہے اور اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ پھر کوئی کڑوی اور سچی بات نہیں سن سکتے یہ چمچہ گیری کا کمال ہے۔

سنتے ہیں شکر پر کنٹرول ہو چلا ہے۔ مگر چونکہ چمچوں پر کنٹرول نہیں ہے۔ اس لئے یہ لوگ بلیک سے شکر لاکر اپنے مالک کے کان میں انڈیلتے رہتے ہیں اور اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ مجھے ایک دفعہ ایک بہت بڑے فلمی آدمی کے گھر میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ کھانے کی میز انواع اقسام کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔ ہر طرح کے ڈرنک موجود تھے۔ قیمتی چائنا کی پلیٹوں سے ساری میز جگمگا رہی تھی مگر ہمارے میزبان نے جب میز دیکھی تو فوراً بھڑک کر غصے میں اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی سے کہا۔

یہ کیا بکواس ہے ؟ تم کو میز لگانے کو کہا تھا۔ کیا میز

اسی طرح سے لگائی جاتی ہے۔"

وہ آدمی فوراً شرمندہ ہو کر بولا۔

"حضور، کیا غلطی ہو گئی اس خاکسار سے؟"

مالک گرج کر بولا۔ میں پوچھتا ہوں اس میز پر چمچے کیوں نہیں رکھے۔؟

اس پر وہ آدمی فوراً دست بستہ ہو کر بولا۔ حضور ہمارے ہوتے ہوئے چمچوں کی کیا ضرورت ہے۔؟"

اس دنیا میں صرف ۲ دو طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو چمچے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو چمچے اپنے ساتھ رکھتے ہیں تیسری طرح کا آدمی کوئی نہیں ہوتا۔ اور اگر ہوتا ہے تو اسے اس دنیا میں کوئی نہیں پوچھتا۔ اس لئے بچو! شکر کھاؤ اور شکر کھلاؤ اور کہو۔

"سچ ہے چمچہ۔!"

"چھ سے چھمیا۔!"

فلمی دنیا میں چھمیا کی کمی ہر سمے محسوس ہوتی رہتی ہے

پروڈیوسر کہتا ہے ـــ "ارے فلم کہانی سے بنائیں۔ کوئی چھمیا نظر نہیں آتی! کیمرہ مین کہتا ہے۔ "ارے کیمرہ کہاں چلائیں؟ کوئی چھمیا تو دکھائی دے! " ڈسٹری بیوٹر کہتا ہے۔ "ارے اس فلم میں سب کچھ ہے۔ بس ایک چھمیا نہیں ہے!"

ان لوگوں کی باتیں سنکر یہ خیال آتا ہے کہ "چھمیا" کوئی پارس پتھر ہوگا۔ جس کے حاصل کرنے کے لئے فلم والے ہر وقت تڑپتے رہتے ہیں۔

مگر بات نہیں ہے۔ "چھمیا" کا لفظ خوبصورت لڑکی کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک فلم بنی تھی "چھمیا" اس میں جس ہیروئین نے کام کیا تھا۔ وہ لوگوں کو اسقدر حسین دکھائی دی کہ جب سے ہر سندری کو چھمیا کہا جانے لگا۔

چھمیا کی تلاش میں فلم والے ہر سال حیدرآباد، لکھنو کلکتہ، چنڈی گڑھ۔ دلی۔ کہاں کہاں ڈول ڈالتے رہتے ہیں مگر حسن تو ایک نایاب شئے ہے۔ تیل کا کنواں کھود لینا آسان ہے۔ مگر ایک چھمیا کو ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل ہے چھمیا بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ اور جب ملتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک شوہر ہے یا ماں باپ ہیں! جو

کسی طرح اپنی چھمیا کو فلم میں بھیجنے کے لئے راضی نہیں ہیں۔ ایسے موقعوں پر چھمیا کے ساتھ اس کے شوہر اور اس کے ماں باپ کو بھی کام دینا پڑتا ہے۔ کچھ لوگوں نے فلم میں کام حاصل کرنے کا یہ آسان گر دریافت کر لیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ایک چھمیا کو بھی لے آتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ چھمیا کے لئے چھمیا ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ ایکٹنگ کی صلاحیت بھی ہونی چاہیئے اور تھوڑی سی عقل بھی چاہیئے۔ اب قدرت نے نے یہ عجیب مذاق کر رکھا ہے۔ وہ اگر کسی کو شکل دیتی ہے تو عقل نہیں دیتی اور عقل دیتی ہے تو شکل نہیں دیتی ـــ لیکن جب چھمیا کے پاس یہ دونوں چیزیں موجود ہوں، اس کا فلم میں ترقی کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔!

اس لئے ہر چھمیا کو فلم میں آنے سے پہلے دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ اچھی شکل کے علاوہ اداکاری کرنے کی عقل بھی رکھتی ہے کہ نہیں۔ ورنہ وہ چھمیا ایک دن بالکل نکمیا ثابت ہوگی۔

اس لئے چھ سے چھمیا۔!

"ح سے حقّہ۔!"

فلمی دنیا میں کام کرنے والے ہمیشہ سگریٹ پیتے ہیں اور کبھی حقّے کے نزدیک نہیں جاتے ــــ نہ گھر پر نہ اسٹوڈیو میں نہ دفتر میں۔ کہیں پر وہ اپنے استعمال کے لئے حقّہ نہیں رکھتے۔ صرف سگریٹ پیتے۔ اور اپنے درجے، عادت، مزاج یا جیب کے مطابق سگریٹ کا شوق کرتے ہیں ــــ نہایت ناکام لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا سگریٹ پیتے ہیں۔ اور جو انتہائی کامیاب ہیں اور لاکھوں روپیہ کماتے ہیں۔ وہ سونے کے سگریٹ کیس میں صرف بیڑی ڈال کر پیتے ہیں۔ جو آدمی جتنا گھٹیا سگریٹ پیئے گا۔ اتنا ہی کامیاب ــــ اور مال دار سمجھا جائے گا ــــ مگر حقّے کو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگائیگا

مگر جب ایکٹر مندر جانے لگے۔ ایکٹرسیں گھر پر دال بگھارنے لگے اور پروڈیوسر حقّہ پینے لگے۔ تو سمجھ لو کہ ان کے برے دن آگئے ــــ سمجھ لو کہ انہوں نے صبر کرلیا ہے اور اب وہ جلد ہی فلمی دنیا سے کنارہ کش ہونے والے ہیں ــــ ایسے وقت میں پروڈیوسر ہتھیار ڈال دیتا ہے ــــ اور زور کا ایک کش لے کر کہتا ہے۔

"ح سے حقّہ"

"خ سے خالی۔!"

فلم انڈسٹری میں کام کرنے والوں کی زندگی کا ایک حصّہ کام کرنے میں اور بہت سا حصّہ کام نہ کرنے میں خرچ ہو جاتا ہے مگر مزے کی بات یہ ہے کہ فلم انڈسٹری میں کبھی کوئی خالی ہاتھ نظر نہیں آتا۔ اور جو جتنا خالی ہوتا ہے۔ یعنی جس کے پاس جتنا نام کم ہوتا ہے وہ اتنا ہی مصروف نظر آتا ہے۔

میں اپنے ایک دوست ایکٹر کو جانتا ہوں جس کے پاس پچھلے دو سال سے کوئی کام نہیں تھا۔ اور جو ابھی چند دن ہوئے مجھ سے پچاس روپے مانگ کے لے گیا تھا ــــ میں نے ایک پروڈیوسر کی منت سماجت کرکے اسے کام دینے پر راضی کیا اور اس ایکٹر سے گھر پر لے گیا ــــ خالی ایکٹر بڑے تپاک سے ملا۔ وہ ضرو ہمیں چائے آفر کرتا ــــ مگر نوکر حجامت کرانے گیا تھا۔ ضرو شراب پلاتا۔ مگر کمبخت پرمٹ ختم ہو چکا تھا ــــ سگریٹ بھی پیش کرتا۔ مگر جب سے اس نے امریکی ڈاکٹروں کا بیان پڑھا تھا کہ سگریٹ پینے سے کینسر ہو جاتا ہے۔ اس نے مہمانوں کو سگریٹ پیش کرنا

بند کر دیا تھا۔!

خیر! آمدم برسرِ مطلب۔ میں نے اس سے کہا۔
خالی ہو۔؟" ایک رول کر دو گے

خالی ——؟ وہ ایکٹر زور کا ایک قہقہہ لگا کے بولا
نہیں ——؟ اور خالی ——؟ آٹھ پکچریں ہیں ہمارے پاس ——
دو چوپڑہ کی، ایک کے آصف کی ایک بمل رائے کی تین واڈیا کی۔ اور ایک نئے پروڈیوسر کی ابھی کل ہی کانٹریکٹ کیا ہے۔ بیس ہزار ہیں۔!

تب تو آپ خالی نہیں ہیں —— میں نے تقریباً آزردہ ہو کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ہم جاتے ہیں۔!

ایکٹر نے فوراً مجھے ہاتھ سے پکڑ کر بٹھا دیا —— کہاں جاتے ہو۔؟ تم اتنی دور سے چل کے آئے ہو۔ تو کسی نہ کسی طرح وقت تو نکالنا ہی پڑے گا —— تمہاری خاطر۔!

مگر یہ لوگ تو ایک چھوٹی سی پکچر بنا رہے ہیں۔ میں نے کہا "دو ہزار سے زیادہ دام نہیں دے سکتے۔!"

بڑی پکچر کے بڑے دام چھوٹی پکچر کے چھوٹے دام۔!" ایکٹر مسکرا کر بولا "اور پھر تمہارے دوست

ہیں تو سمجھو آج سے میرے بھی دوست ہوئے ـــــ اور دوستوں کے لئے قربانی تو کرنا ہی پڑتی ہے بیٹھونا ۔ چائے پیو ـــ دیکھتا ہوں وہ کمبخت نوکر حجامت کرا کے آیا کہ نہیں ۔؟"

یہ کہہ کر ایکسٹر نے زور کی آواز دی ۔" ابے یاسین ابے او یاسین ۔!"

لمبے بالوں والا ایک دبلا پتلا لڑکا کچن سے آٹا گوندھتا ہوا باہر نکلا ـــــ اسے دیکھ کر ایکسٹر نے جلدی سے کہا۔

"چائے بناؤ ـــ!"

:: :: :: ::

گویا فلم انڈسٹری میں کبھی کوئی خالی نہیں ہوتا ۔ اور ہوتا ہے تو صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی کسی سے دام طلب کرتا ہے ۔ اگر پروڈیوسر فنانسر سے پیسے مانگے تو وہ خالی ہاتھ ہوتا ہے پروڈیوسر سے ایکسٹر مانگے تو پروڈیوسر خالی ہوتا ہے ۔ ایکٹر سے گیراج والا مانگے ـــــ تو وہ خالی ہوتا ہے ۔ ہاتھ خالی جیب خالی بینک خالی ـــــ اس لئے بچو بجاؤ تالی اور کہو ۔

خ سے خالی ۔!

"ڈرسے دل۔!"

فلم کی دنیا میں دل کی بیماری عام ہے۔ جسے دیکھو دل تھامے ہوئے گھوم رہا ہے ــــ ہیرو ہے کہ دل پر ہاتھ رکھے ایسی ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کے اندر دل کے بجائے ریفریجریٹر رکھا ہوا ہے۔ ہیروین اپنے دل کا دکھڑا بیان کرتے ہوئے یوں رک رک کر سسکیاں لیتی ہے گویا اس نے پھیپھڑوں میں ہچکیوں کی مشین لگا رکھی ہے۔ ولین ہے کہ اپنے گول گول دیدے گھما کر دانت پیس کر اپنے چہرے کو انتہائی خوفناک بنا کر کچھ ایسے کرب ناک لہجہ میں اپنے دل کی تکلیف بیان کرتا ہے کہ گمان گزرتا ہے کہیں اسے دل کے بجائے اپینڈی سائٹز کا دورہ تو نہیں پڑا ــــ؟ وہ ناچنے والی ہے کہ تھرک تھرک کر کہتی ہے "دل دیکھو، دل دیکھو، دل دیکھو جی۔" وہ شاعر ہے کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے۔ "دل تیرا دیوانہ، دل کی تمنا تھی مستی میں، تم کو پیا دل دیا، دل گیا ساجن کی نگری۔"

فلم کے نام بھی زیادہ تر دل پر رکھے جاتے ہیں۔ "دل ہی

تو ہے ، دل ایک مندر ، ایک دل سو افسانے ، پھر وہی دل لا
ہوں ۔ فلمی دنیا میں جسے دیکھو دل کی بیماری میں مبتلا ہے ۔ مگر مر
کوئی نہیں ۔!

فلمی دنیا میں سب سے زیادہ مصیبت دل پر ڈھائی جاتی
ہے ۔ دل ٹیپتا ہے ۔ دل روتا ہے ، دل زخم کھاتا ۔ دل سے
دھوکا کیا جاتا ہے ۔ دل چرایا جاتا ہے ۔ دل پر ڈاکہ پڑتا ہے دل
میں ناسور ہوتا ہے ۔ دل کے ٹکرے ٹکرے ہوتے رہتے ہیں دل
کی کلی کبھی نہیں کھلتی ۔ اسکی کوئی آرزو بر نہیں آتی ....
دل نہ ہوا ہیری سیکشن کا کلرک ہوا ۔

مگر مزے کی بات یہ ہے کہ اتنی مصیبتوں کے باوجود
دل بول نہیں سکتا ۔ فریاد نہیں کر سکتا ـــــ یہ فلمی دنیا کا
قاعدہ ہے ـــــ دل پر لاکھ چھریاں چلیں ۔ مگر دل پولیس میں
رپورٹ نہیں کر سکتا ۔ دل کو دھوکے پر دھوکے دیئے جائیں
مگر وہ عدالت میں دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ دل میں ناسور ہو جائے
مگر وہ کسی ڈاکٹر سے رجوع نہیں ہو سکتا ، اس پر ڈاکہ پڑ جائے
مگر وہ ہمیشہ آچار یہ بھاوے کی طرح معاف کرنے پر مجبور ہے
عجیب احمق ہے یہ دل ـــــ مگر فلم کے سنسار میں اس دل کے

بغیر گاڑی ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس لئے اپنے دل پر ہاتھ رکھو اور کہو۔

دبے دل ....!

"دھڑسے دھالسنو۔!"

فلمی ڈکشنری میں اس سے بڑا، اس سے طاقت ور، اس سے جاندار اور کوئی کلمہ تعریف نہیں ہے —— وہ احمق ہیں جو کسی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور صفحوں کے صفحے کالے کرتے ہیں۔ صرف ایک لفظ سے کام چل سکتا ہے "دھالسنو" فلم بنانے والے کی تعریف کرتے ہوئے اسکی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے صرف یہی ایک لفظ کہیے، سب بیڑا پار ہے

فلم بنانے والا پوچھے۔ "میرا ہیرو کیسا ہے۔؟"

فوراً جواب دیجئے۔ "دھالسنو!"

"میری کہانی کیسی ہے؟"

"دھالسنو"........!"

"میری فلم کا نام کیسا ہے۔؟"

"دھالنو ـــــ!"

"میرے ڈائریکٹر کا کام کیسا ہے۔؟"

"دھالنو ـــ!"

"میری بغل کا گلفام کیسا ہے۔؟"

"دھالنو ـــ!"

"شاباش ـــــ کل آکے کنٹریکٹ کر جاؤ۔!"

دیکھا آپ نے یہ ہے لفظ دھالنو کا کمـــال!

ویسے 'دھ' سے دھولنس بھی ہے۔ مگر فلم کمپنی میں کسی کی دھولنس نہیں چلتی ـــــ دھ سے دھرم بھی ہے۔ مگر فلم کمپنی میں وہ بھی نہیں چلتا۔ اس لئے یہ دونوں لفظ بھول جایئے اور صرف یاد رکھیئے دھ سے دھالنو!

ڈ سے ڈائریکٹر

ڈ سے ڈائریکٹر ہوتا ہے، بلکہ ہوتا تھا ـــ کیونکہ آجکل

ڈائریکٹر کے پاس ہونے کے لئے کچھ رہ نہیں گیا ہے — پرانے زمانے میں ڈائریکٹر فلم کی جان ہوا کرتا تھا — وہ کہانی کا انتخاب کرتا تھا۔ اس کے مطابق ہیرو اور ہیروین چنتا تھا۔ پھر یا نی کیریکٹر پھر کہانی کے مزاج کے مطابق سنگیت کار اور شاعر کا انتخاب کرتا تھا اور اسی طرح فلم کے دوسرے شعبوں کو ملا کر ایک ایسی فلم بناتا تھا جو اسکی شخصیت اور فن کی مکمل نمائندگی کر سکتی تھی۔ اس زمانے میں ڈائریکٹر اپنی تصویر سے پہچانا جاتا تھا — لوگ کہتے تھے یہ "آدمی" کا ڈائریکٹر ہے۔ یہ "آن" کا ڈائریکٹر ہے۔ یہ "ستیا" کا ڈائریکٹر ہے — ! آجکل لوگ کہتے ہیں۔ یہ دلیپ کمار کا ڈائریکٹر ہے۔ یہ دیوآنند کا، یہ جانی واکر کا........!

پہلے زمانے میں ڈائریکٹر فلم کا خالق ہوتا تھا۔ آج کل وہ محض پالک ہے — ! اگر ہم اپنی فلموں کو بہتر اور خوبصورت بنانا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اپنی فلموں میں ڈائریکٹر کو اسکا مرکزی مقام دینا پڑے گا — اور زور سے کہنا پڑیگا۔

ڈسے ڈائریکٹر — !

"ڈھول سے ڈھنڈورہ!"

اپنے بچپن کی بات کرتا ہوں۔ ہمارے محلے میں ایک ڈھنڈورہ پیٹنے والے آیا کرتے تھے — نام تھا سکھانند دبلے پتلے لانبے آدمی تھے — سر پر پٹے رکھتے تھے اور چہرے پر بڑی بڑی خوفناک مونچھیں — مگر نہایت شریف آدمی تھے کسی کو دکھ نہ دیتے تھے۔ صرف کبھی کبھی ہمارے محلے میں گلے میں ڈھول ڈالے ہاتھ میں گھنٹی لئے۔ یا ڈگڈگی لئے آتے تھے اور ڈھول بجاکر۔ ڈگڈگی بلاکر اپنی پاٹ دار آواز میں اعلان کرتے تھے۔

"آج شام کو — ساڑھے چھ بجے — موتی ہال میں — سوامی شردھانند کا لیکچر ہوگا — گیتا کے ساتواں ادھیائے پر ڈگ ڈگ ڈگ!"

جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو یہی سکھانند اسی ڈھول اور ڈگڈگی کے ساتھ ہمارے محلے میں آکر ڈھنڈورہ پیٹنے لگے "آج شام کو — ساڑھے چھ بجے — موتی ہال

ں — مہاتما گاندھی کا لیکچر ہوگا —— ہندوستان کی آزادی
— ڈگ ڈگ ڈگ !

جب اور بڑے ہوئے۔ تو یہی سکھانند، ڈھول، گھنٹہ
رگی لئے آئے —— اور اسی پاٹ دار آواز میں مگر کسی قدر
اس لہجہ میں بولے۔
"آج شام کو —— ساڑھے چھ بجے ——— موتی سینما
ں — مس مادھوری اور ای بلوموریا کا پکچر ہوگا —— نام
— پریم کا ڈنڈا — ! ڈگ ڈگ ڈگ !"
اس کے بعد انہوں نے سر جھکا کر سنبھلی برابر چھوٹے چھوٹے
ہ باٹنا شروع کر دیئے۔ جس پر اسی پکچر کی مزید تعریف لکھی ہوئی
ں — میں نے پہلی بار دیکھا کہ ان کا چہرہ کچھ مرجھا گیا تھا
ے وہ یکلخت بڈھے ہو گئے ہوں۔!

پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ ہمارے محلے کی دیواروں
رکالونوں پر ہر خالی جگہ پر بڑے بڑے رنگین کاغذ لگے ہوئے
۔ جن پر ایک خوب صورت عورت کی تصویر ہے۔ جو اپنے کپڑوں

کے باوجود تقریباً ننگی نظر آرہی ہے۔ اور محلے کے بچے، جوان اور بوڑھے ان رنگین کاغذوں کے گرد اکٹھے ہوکر بڑی حیرت سے ان تصویروں کو دیکھ رہے ہیں۔ جس کے نیچے لکھا تھا۔

ہندوستان کا سب سے شاندار فلم۔
آپ کے شہر کے سب سے شاندار سینما میں
فلمی دنیا کی سب سے شاندار جوڑی کے ساتھ۔
ڈی فنتور اور مس ہچکولا۔
پریم کے پھندے۔!

سارے دھندے چھوڑ کر دیکھئے۔ پریم کے پھندے موتی سینما میں۔ ہر روز پانچ شو ہونگے (جن میں تین میٹنی ہوں گے پہلا میٹنی آٹھ سے گیارہ بجے صبح، دوسرا میٹنی بارہ بجے سے تین بجے دوپہر تک، تیسرا میٹنی سوا تین سے سوا چھ بجے تک۔ پھر ساڑھے چھ سے ساڑے نو تک۔ پھر آخری شو ساڑھے نو سے ساڑھے بارہ بجے رات تک ہوگا۔)
ایڈوانس بکنگ جاری ہے۔!)

میں جب یہ اشتہار پڑھ کر بیچھے ہٹا۔ تو مجھے سکھانند نظر آئے۔ چھاتی پر ڈھول لٹکائے اور ہاتھ میں گھنٹہ لئے خاموش کھڑے نظر آئے ــــــ انکی آنکھوں میں آنسو تھے! آج انہوں نے محلے میں نہ گھنٹہ بجایا۔ نہ ڈھول۔ چپ چاپ اپنے آنسو پیتے ہوئے خاموشی سے سر جھکا کے واپس چلے گئے۔!

اس دن کے بعد میں نے سکھانند کو ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

وہ ڈھنڈورا پیٹنے والے چلے گئے۔ جو صرف مطلب کی بات بتاتے تھے اور بات کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیتے تھے ــــــ اب نئے ڈھنڈورچی آئے ہیں۔ ڈھنڈورا یہ پیٹتے ہیں۔ نام انکا بھی سکھانند ہے۔ مگر ان کے گلے میں نہ ڈھول ہے۔ نہ ہاتھ میں گھنٹہ ہے۔ نہ بغل میں ڈگڈگی ہے ــــــ! آجکل کے ڈھنڈورا پیٹنے والوں کے ہاتھ میں قلم ہوتے ہیں۔ بغل میں وہسکی، کاغذ پر جھوٹ.........!

اس لئے بچو اگر فلم میں زندہ رہنا چاہتے ہو ــــــ تو ہمیشہ اپنا یا کسی دوسرے کا ڈھنڈورا ضرور

پیٹو اور کھو۔

"ڈھ سے ڈھنڈورا!"

"ذ سے ذلّت۔!"

کوٹھے پر ناچنے والی ذلیل سمجھی جاتی ہے — فلم میں ناچنے والی ذلیل نہیں سمجھی جاتی ہے۔! کوٹھے پر گانے والی بری سمجھی جاتی ہے۔ فلم میں گانے والی عزّت پاتی ہے۔!

پرائیویٹ محفلوں میں حسن کا مظاہرہ کرنے والی اوباش مانی جاتی ہے — فلم میں جنس کا مضبطر اظہار کرنے والی اداکارہ کہلاتی ہے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں میرے یا آپ ایسا انسان کئی بار ذلت محسوس کرتا ہے۔ اگر کوئی مجھے گالی دے تو ذلت کا احساس ہوگا — میں کسی سے وعدہ کرکے مکر جاؤں، تو لوگ مجھے ذلیل سمجھیں گے — کسی سے قرضہ لے کے مکر جاؤں یا لوگوں کے

لاکھوں لے کے دیوالیہ ہو جاؤں تو لوگ مجھے ذلیل سمجھیں گے مگر فلمی دنیا میں سب کچھ شب و روز ہوتا رہتا ہے۔ پھر بھی کوئی ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ فلم انڈسٹری میں سب کچھ ہوتا ہے۔ صرف ذلت کا لفظ ہی نہیں ہوتا۔!

مگر میں نے غلط کہا ——— فلمی دنیا میں بھی ذلت ہوتی ہے۔! مثال کے طور پر اگر آپ کوئی ایسی تصویر بنائیں جو صاف ستھری، اور بامقصد ہو۔ جس میں انسان کی برائی۔ زندگی کی اچھائی ور کائنات کی دلربائی کے عناصر کا اظہار ہو۔ تو آپ انتہائی ذلیل و خوار ہوں گے۔! اخبار والے آپ کے خلاف لکھیں گے کیونکہ وہ ہر اچھے مقصد کو پراپیگنڈا سمجھتے ہیں ——— آپکی فلم خریدنے والا اسے کسی تھرڈ کلاس پکچر ہاؤس میں چلا دے گا۔ کیونکہ آپ نے بڑے بڑے ستارے نہیں لئے۔ پبلک آپکی تصویر کو رد کر دے گی۔ کیونکہ آپ نے وہ سیکس اور گلیمر نہیں دیا جسکی وہ عادی ہو چکی ہے ——— آپ اپنی ساری پونجی کھو دیں گے۔ اور دونوں خالی جیبیں جھاڑتے ہوئے یہ کہتے ہوئے فلم انڈسٹری سے باہر نکل آئیے گا۔

"بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے"

اس لئے اگر ذلّت سے بچنا چاہتے ہو۔ تو ہر طرح کی ذلّت کے لئے تیار رہو۔ اور کہو۔

ڈ سے ذلّت!

ر سے رومانس۔!

رومانس ہر فلم میں ہوتا ہے۔ اور جس فلم میں رومانس نہیں ہوتا اسے ہم ڈوکیومنیٹری کہتے ہیں۔ ڈوکیومنیٹری میں عام طور پر لیڈ کے بھیانک چہرے ہوتے ہیں۔ اور ان کی لمبی لمبی تقریریں۔ یا از مچھر مارنے سے لیکر پیدا کرنے تک کے طریقے بتائے جاتے ہیں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ڈوکیومنٹری میں کسی طرح کوئی دلچسپی نہ آنے پائے۔ عام طور پر لوگ ڈوکیومنیری کو آ بند کرکے دیکھتے ہیں۔ ڈوکیومنٹری دیکھنے کا سب سے اچھا ط یہی ہے۔!

مگر رومانس کی بات اور ہے۔ رومانس آتے ہی تماشہ کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دل بھی کھلنے لگتا ہے۔ فلم دیکھنے والی ہر

دل ہی دل میں اسکرین پر نظر آنے والے ہیرو کو چاہنے لگتی ہے اور فلم دیکھنے والے مرد ہیروئین کی ہر ادا پر لوٹ لوٹ جاتے ہیں جس فلم میں جتنی زیادہ کامیابی سے یہ عمل ہوتا ہے۔ وہ فلم اتنی ہی کامیاب ہوتی ہے۔

رومانس کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک لڑکی ہو خوبصورت اور ایک لڑکا ہو وہ بھی خوبصورت ہو۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کا ہی خوبصورت ہونا بہت ضروری ہے۔ زندگی میں بدصورت لڑکے اور لڑکیاں بھی رومانس کرتے ہوں گے۔ مگر فلم میں نہیں کرتے۔

فلمی رومانس تین طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) پنجابی رومانس ـــــ اس رومانس میں لڑکا اور لڑکی دونوں زیادہ تر اپنے ہاتھوں کا استعمال کرتے ہیں۔ لڑکا لڑکی کو دیکھ کر گھورتا ہے پھر اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب لاتا ہے۔ لڑکی غصے میں آکر تڑ سے ایک طمانچہ لڑکے کے منہ پر مارتی ہے۔ لڑکا زور سے اسکی پیٹھ میں گھونسا مارتا ہے۔ لڑکی چپل نکال لیتی ہے۔ دونوں لڑتے لڑتے گتھم گتھا ہو جاتے ہیں۔ اور رومانس ہو جاتا ہے۔

(۲) بنگالی رومانس ـــــ اس میں باتوں کے بجائے آنکھوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس رومانس میں خاص بات یہ ہے کہ نہ لڑکا پوری

تصویر کے دوران لڑکی کو چھوتا ہے۔ نہ لڑکی لڑکے کو چھوتی ہے۔ بس دونوں قریب یا نزدیک سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہیں اور دھیرے دھیرے روتے رہتے ہیں۔

(۳) بمبیا رومانس ـــــ اس میں ہاتھوں اور آنکھوں کے بجائے ٹانگوں سے کام لیا جاتا ہے۔ چست کپڑے پہن کر جاز کی دُھن پر کولہے مٹکائے جاتے ہیں۔ جو جوڑا زیادہ سے زیادہ دیر تک کولہے مٹکا سکے وہ سمجھو رومانس کا جوڑا ہے۔

فلمی رومانس میں یہ ضروری ہے کہ اگر لڑکا امیر ہے تو لڑکی غریب ہو۔ لڑکا غریب ہے تو لڑکی امیر ہو۔ امیر کا امیر سے اور غریب کا غریب سے رومانس کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دراصل فلم والے اس طریقہ سے امیر اور غریب میں ملاپ کرنا چاہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اگر فلم والوں کے کہنے میں آکر چند ہزار امیر لڑکے غریب لڑکیوں سے شادی کر بھی لیں تو باقی کروڑوں غریب لڑکے لڑکیوں کا کیا ہوگا۔؟

جب تک اس مسئلے کا کوئی حل دریافت ہوتا ہے۔ آپ بھی فلمی رومانس کیجئے۔ اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہئے۔

رے رومانس !

"ڑ" سے جھگڑا۔!

بچو "ڑ" سے کوئی لفظ شروع نہیں ہوتا۔ ڑ کا حرف ہمیشہ کسی لفظ کے بیچ میں پایا جاتا ہے۔ جیسے جھگڑا جسے بمبیا زبان میں لفڑا کہتے ہیں۔ (دونوں لفظوں میں "ڑ" موجود ہے)

"ڑ" جھگڑے کے بیچ میں موجود ہے۔ اور جھگڑا بھی کسی دو افراد کے بیچ میں ہوتا ہے۔ بھلا کوئی اکیلا کس سے جھگڑے گا؟ جھگڑنے کے لئے دو یا دو سے زیادہ افراد کا ہونا ضروری ہے۔ فلم میں بھی جھگڑا ہوتا ہے، مار پٹائی ہوتی ہے، گھونسہ بازی ہوتی ہے۔ مگر اس سے کسی کو چوٹ نہیں پہونچتی خون نہیں نکلتا صرف لال روشنائی بہتی ہے ـــــ اور گھونسہ چہرہ سے ایک انچ دور رہتا ہے اور پستول بھی اگر چلتا ہے تو اس میں کارتوس کے بجائے پٹاخہ ہوتا ہے۔ یہ فلمی جھگڑا جو فلم میں اس قدر خوفناک دکھائی دیتا ہے۔ اصل میں بہت ہی معصوم اور بھولا بھالا سا ہوتا ہے اس لئے بڑے مزے اور اطمینان سے اس جھگڑے کو دیکھو۔

اور کہو۔

ڑ سے جھگڑا۔!

"زندگی سے زندگی۔!"

ہماری زندگی جیسے کہ آجکل چلتی ہے یا چلائی جاتی ہے اس زندگی سے بہت مختلف ہے جو فلم میں دیکھی یا دکھائی جاتی ہے فلم میں ایک مزدور کی لڑکی بھی ڈھائی سو کی ساڑھی پہنے ڈیڑھ سو کا میک اپ کیئے ناچتی نظر آتی ہے۔ حقیقت میں اسے زندگی بھر پچاس کی ساڑی نصیب نہیں ہوئی۔ فلم میں ایک مڈل کلاس گھر کا جو ڈرائنگ روم پیش کیا جاتا ہے۔ اسے اگر ایک مڈل کلاس آدمی خریدنا چاہے تو اسکی دو برس کی آمدن صرف ہو جائے۔ فلم میں جس طرح ایک ہیرو پچاس آدمیوں کو مار بھگاتا ہے۔ اسی ٹکنیک پر عمل کرتے ہوئے میں نے بھی ایک دفعہ دشمنوں کو مار بھگانے کی کوشش کی نتیجہ میں میری وہ پٹائی ہوئی کہ دونوں بازوؤں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور تین مہینے ہسپتال میں رہنا پڑا۔

اسی طرح میں نے ایک بار فلم دیکھی تھی جس میں ہیرو اور ہیروئن کی ملاقات بس کے اڈہ پر ہوتی ہے۔ ہیرو پہلے سے بس کے اڈہ پر کھڑا ہے اتنے میں ایک نہایت خوبصورت لڑکی آتی

ہے اور کیوئیں ہیرو کے بعد آکے کھڑی ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں بارش ہونے لگتی ہے۔ ہیرو فوراً چھاتا کھول کر ہیروئین کے سر پر رکھتا ہے۔ ہیروئین مسکرا کر ہیرو کے چھاتے میں آجاتی ہے اور بس ـــــ محبت ہو جاتی ہے۔

مجھے یہ منظر اس قدر پسند آیا کہ اسے دیکھنے کے بعد میں مہینوں چھاتا لے کر بس کے اڈوں پر گھومتا رہا۔ مگر اول تو مجھے کوئی خوبصورت لڑکی نظر نہیں آئی اور کبھی نظر بھی آئی تو اس کے پاس جوڑ ایک چھاتا تھا ـــــ یا شوہر تھا۔ اور اگر دونوں میں سے کچھ نہ تھا تو کمبخت بارش نہ ہوئی۔

مگر ایک بار قسمت نے یاوری کی اس دن بس سٹاپ بھی تھا۔ میں بھی تھا ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی اور بارش بھی آگئی میں بے حد خوش ہوا۔ فوراً چھاتا لے کر خوبصورت لڑکی کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا۔ لڑکی نے شرما کر چھاتا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جلدی سے ڈور کر چلتی بس میں سوار ہو گئی۔

لیجئے چھاتا بھی گیا، لڑکی بھی گئی۔ اور میں بارش میں بھیگتا کھڑا رہ گیا۔

زندگی اور ہے فلم اور ہے۔ جس طرح ہاتھی کے دانت

کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں! ہمارے عہد میں ہمارے ملک میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو فلم میں اصلی زندگی نہیں دیکھنا چاہتے۔ کیونکہ وہ بہت بھیانک ہے۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ "چند" جھوٹے سہانے سپنے، چند خوبصورت فریب، چمکتے ہوئے دھوکے جو ان کو چند لمحوں کے لئے تسلی دے سکیں اسکے بعد —— وہ جانتے ہیں پھر وہی زندگی ہوگی وہی اسکی تلخیاں اور مجبوریاں ہونگی۔

اور وہی زندگی زیاں سے معمور۔

زہے زندگی۔!

"زہے ژال" (نام پہلوان کا)

ژال نام پہلوان کا ہوتا ہے —— آپ پوچھیں گے کہ پہلوان کا فلم سے کیا تعلق؟

کچھ عرصہ پہلے واقعی کسی قسم کا تعلق نہیں تھا —— زیادہ یہ ہوتا تھا کہ کسی فلم کے کسی حصہ میں دو پہلوان کی کشتی

دکھا دی جاتی تھی ۔ مگر اب تو فلم انڈسٹری میں چاروں طرف پہلوان ہی پہلوان نظر آتے ہیں ۔ !

پہلے فلم والے خوبصورت چہروں اور چاکلیٹ ٹائپ کے ہیرو کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے ۔ آجکل وہ پہلوان کو ڈھونڈتے ہیں ۔

چنانچہ آجکل جوق در جوق ہندوستان کے مختلف گوشوں سے پہلوان آکر فلم انڈسٹری میں ہیرو بن رہے ہیں ۔ کشتیاں لڑکر جتنا وہ ساری زندگی میں کما سکتے تھے ۔ آجکل وہ صرف ایک فلم سے کما لیتے ہیں ۔

پہلے فلم انڈسٹری میں صرف خوبصورت اور دیدہ زیب نوجوانوں کی کھپت تھی ۔ اب اگر آپ بدصورت ہیں ۔ آواز بری پائی ہے ایکٹنگ نہیں کر سکتے تو کوئی مضائقہ نہیں ۔ آپ کا پہلوان ہونا کافی ہے ۔ !

عام طور پر نئے چہروں کو فلم کے دوران میں بہت ڈانٹا جاتا ہے کیونکہ بے چارے ناتجربہ کار ہوتے ہیں لیکن ناتجربہ کار سے ناتجربہ کار پہلوان کو بھی کوئی نہیں ڈانٹ سکتا ۔ میں ایک دوست پنجابی پہلوان کو جانتا ہوں جسے فلم کے دوران مندرجہ

ذیل مکالمہ یاد کرنے کے لئے دیا گیا۔

"کیا کہا؟ شہزادہ شہزادی کو لے کے بھاگ گیا۔؟"

پہلوان نے اچھی طرح سے یاد کر کے اس مکالمہ کو رٹ لیا

جب رٹ لیا۔ تو اس نے ڈائریکٹر سے کہا۔ کیمرہ چلاؤ۔ جب

کیمرہ چلنے لگا تو ڈائریکٹر نے پہلوان کو بولنے کا اشارہ کیا۔ پہلے

تو پہلوان نے اپنے سینے کو پھلایا۔ پھر اپنے دونوں بازوں کی

مچھلیاں گھمایں۔ پھر گرج کر بولا۔

کی کیہا۔؟ شہجادہ شہجادی نوں لے کے بھگ گیا۔؟

"Cut کٹ" ڈائریکٹر زور سے چلایا۔

پہلوان نے گھور کر ڈائریکٹر کی طرف دیکھا۔ دونوں

ہاتھوں کی مٹھیاں بند کیں اور دھیرے دھیرے ڈائریکٹر کی طرف

بڑھتے ہوئے بولا

"کی کہیا۔؟ گلط ہے؟"

جی نہیں۔ ڈائریکٹر کانپ کر بولا۔ شاٹ اکدم او کے

ہے۔"

آجکل پہلوان کی چاندی ہے۔ ڈائریکٹر سیٹ پر کچھ

نہیں کہہ سکتا۔

پروڈیوسر پیسہ نہیں روک سکتا۔ انکم ٹیکس کا انسپکٹر

تک قریب آتے ہوئے ڈرتا ہے۔

اس لئے اگر آپ پہلوان ہیں تو فوراً لنگوٹ باندھ کر فلم

کے میدان میں اُتر آیئے اور ران پر ہاتھ مار کر للکاریئے۔

"ژ سے ژال۔!"

پہلوان کا نام

"س سے سینما۔!"

اگر آپکی محبوبہ آپ سے کہے۔ میں ساڑھے پانچ بجے

فلاں جگہ پر آپ سے ملوں گی۔ تو اس جگہ پر ضرور کوئی سینما ہال

ہوگا اگر وہ یہ کہنے مجھے گھر سے آکر لے جانا اور دو ٹکٹ بھی

ساتھ لیتے آنا۔ تو سمجھ لیجئے کہ اس نے سینما کے دو ٹکٹ منگوائے

ہیں۔ میں ایک دفعہ غلطی سے ریلوے پلیٹ فارم کے دو ٹکٹ

لیتا گیا۔ بڑا گھپلا ہوا۔

اگر کسی ہال کے باہر جگمگاتی روشنیوں اور ادھ ننگی

عورتوں کے پوسٹر کے نیچے تنگ مہری کی نیلون پہنے ہوئے لڑکے اور سجی ہوئی لڑکیاں سر پر بالوں کی ٹوکری کیطرح اوپر اٹھائے ہوئے نظر آئیں۔ فوراً سمجھ جائیے کہ یہ ایک سینما ہال ہے۔

سینما ہال میں بیک وقت دو فلمیں دکھائی جاتی ہیں، ایک فلم پردے پر چلتی ہے۔ دوسری ہال کی سیٹوں پر چلتی رہتی ہے دونوں فلموں کے لئے اندھیرا اشد ضروری ہے۔

س سے سلور جبلی بھی ہے۔ جب کوئی فلم ایک ہی سینما میں متواتر پچیس ہفتے چلتی رہتی ہے۔ تو سلور جبلی مناتی ہے۔ یعنی چاندی کی جبلی......... ایسے موقع پر جبلی تو فلم دیکھنے والوں کو ملتی ہے اور چاندی فلم دکھانے والوں کے ہاتھ آتی ہے۔

س سے اسٹوڈیو بھی ہے۔ جہاں فلمیں بنائی جاتی ہیں فلم بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی سینما سے کوئی امریکی تصویر دیکھ آیئے۔ اور اسٹوڈیو میں آکر اسے بگاڑنا شروع کر دیجئے۔ بگاڑتے بگاڑتے ہندوستانی فلم بن جائے گی۔

س سے اسکول بھی ہے۔ جہاں کسی زمانہ میں لڑکے پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ آجکل وہ سینما جاتے ہیں اور اسکول میں بیٹھے بیٹھے خالی بنچوں سے مکھیاں اڑاتے ہیں۔

اگر آپ کا لڑکا بھاگ گیا ہے۔ تو اس کے لئے پولیس اسٹیشن جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فوراً ٹکٹ کٹا کر بمبئی آجائیے آپ کا لڑکا آپ کو ضرور کسی اسٹوڈیو کے اندر یا باہر چکر لگاتا ہوا مل جائیگا اس کے بعد آپ اپنے کان پکڑئیے اور کہیے۔

سن سے سینما۔!

بُش سے شاعر۔!

فلمی شاعر۔ ادبی شاعر سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ادبی شاعر گیت کہتا ہے۔ فلمی شاعر گیت لکھتا ہے۔ بلکہ اکثر ٹھوکتا ہے۔ جس طرح لوگ دیوار میں کیل ٹھوکتے ہیں۔
شاعر بھائی ایسا گیت ٹھوکو۔ ایسا گیت ٹھوکو کہ سالا لوگ "چل چل رے نوجوان۔" ہی بھول جائیں۔ (فلمی ڈائریکٹر کا تقاضہ)
ادبی شاعر کہتا ہے۔ فلمی شاعر شعر لکھتا ہے جسکی سطریں موسیقار (میوزک ڈائریکٹر) کی مرضی کے مطابق چھوٹی بڑی کردی جاتی ہیں۔ شاعر نے گیت کی سطریں یوں لکھیں "وہ پنگھٹ پر آئے"

.........اب موسیقار نے گنگنانا شروع کیا۔

وہ پنگھٹ پر آئے .... وہ پنگھٹ پر آئے، ہائے

دیکھئے لفظ "ہائے" اس دھن میں کیسا فٹ بیٹھا ہے۔ ڈائریکٹر

نے کہا۔

"تو لگا دو نا جی "ہائے" اس کے ساتھ ہی ساغر بھائی۔؟"

اور ساغر بھائی نے دست بستہ عرض کیا۔ بجا ارشاد

وہ پنگھٹ پر آئے، ہائے ہائے

لفظ ہائے اگر تین دفعہ آ جائے تو لطف دوبالا ہو جائے

دوبالا۔ میوزک ڈائریکٹر نے کہا ــــ ڈائریکٹر بولا ــــ ساغر

بھائی اس کو جلدی سے میوزک ڈائریکٹر کی ~~ناک~~ دبلا (دوبالا) بنا

اب گیت کی سطریں یوں ہو گئیں ــــ پنگھٹ پر آئے

ہائے، ہائے، ہائے۔ موسیقار نے پھر گنگنانا شروع کیا.......

وہ پنگھٹ پر آئے۔ ہائے، ہائے، ہائے۔ ہارمونیم لیکر بیٹھے او

ڈائریکٹر سے اس دھن کے بارے میں پوچھا۔ "کیسی رہے گی دھن؟"

ڈائریکٹر نے کہا۔ "سالی دھن جمتی نہیں۔"

اس فلمی دنیا میں ڈائریکٹر کو کوئی چیز نہیں جمتی۔ نہ پکچر،

ڈانس، نہ گانا، نہ مکالمے "سالا کچھ جمتا نہیں ــــ یہ گانا

اس میں ادھم نہیں ۔ جب تک پکچر ہاؤس میں پاؤں سے کھٹا کھٹ
تال نہ دیں ۔ یہ گانا بنڈل رہے گا ۔ سمجھے غلام صابر ۔"

غلام صابر نے پھر گنگنانا شروع کیا ۔
وہ نیکھٹ .... وہ نیکھٹ

شاعر نے لقمہ دیا ــــ "وہ نٹ کھٹ ... وہ نٹ
کھٹ ...."

ڈائرکیٹر نے اصلاح دی ۔ "وہ جھٹ پٹ ، وہ جھٹ
پٹ ۔"

"وہ نٹ کھٹ ، جھٹ پٹ ، پنگھٹ پرائے ــ ہائے
ائے ہائے ۔"

شاعر نے اچھل کر کہا گیت ہو گیا ۔ ہو گیا ۔ ہو گیا ۔

ڈائرکیٹر نے شاعر کو گلے لگا کر کہا ۔ "ہاں ہو گیا تو بڑا
سالا ساعر ہے ۔ تو مہاکوی تلسی داس ہے ۔ مہاکوی کالی داس ہے
مہاکوی مدھوک ، مہاکوی پر دیپ اور مہاکوی یا دھیا ہے ...."
جنہوں نے چور بازار اور جھنڈو بام کے گانے لکھے ہیں ۔ تو ان سے بھی
بڑھ کر ہے ۔ اور تو جوس (جوش) اور مجاج (مجاز) کا بھی باپ ہے
وہ تیرے اوپر کیا گانا لکھیں گے ۔ لے یہ چونّی اور پانی پوری کھالے

بجار (بازار) سے۔

شاعر اردو کا ہو تو شاعر اعظم کہلاتا ہے۔ ہندی کا ہو تو مہاکوی۔ لیکن مہاکوی ہو یا شاعر اعظم دونوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔ چاہے وہ دوہا ہو، گیت ہو، کجلی ہو، یا قوالی فلمی گیت ہیں اگر چاند، پپیہا، ندیا، برہا، جیا، ترپائے، جل جائے، اگنی، طوفان، منجدھار، بیقرار کا ذکر ہزار بار نہ ہو تو وہ فلمی گیت کبھی پاس نہیں ہوتا۔ مبتذل ہو جاتا ہے۔ ادبی شاعر کے گیت سمجھے جاتے ہیں۔ فلمی شاعر کے گیت تو نہیں۔ البتہ انکی دھنیں ضرور سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لئے وہ لکھے جاتے ہیں۔ معنی اور مطلب سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ اسکے علاوہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ جتنا مہمل ہوگا۔ موسیقار اسکی دھن اتنی ہی زیادہ اچھی بنائے گا۔ اس لئے فلمی شاعر وہی کامیاب ہو سکتا ہے "جو صرف" ڈڈاں، ڈڈار ڈاں پر قناعت کرے۔

فلمی گیتوں کی اصلاح کا خیال دل سے نکال دیجئے۔ نہیں تو خود اسٹوڈیو سے کپڑے پھاڑ کر نکل جائیے۔

ادبی شاعر کیطرح فلمی شاعر بھی تخلّص رکھتا ہے۔ جیسے آہ، واہ، بابا، اور اگر کسی نے زیادہ زور پکڑا ہو تو ہاہا! بے

علاوہ آج کل شیکنی کلر فلم کی مناسبت سے شاعروں نے اپنے تخلص میں مختلف رنگوں کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے۔ جیسے۔ نارنجی اور اودا انگری، بابا عالم سیاہ پوش۔ محمد احمد سبزواری۔ پیلا پیلا سرخ یا سرخا۔ نیلی بھبتی۔ وغیرہ وغیرہ

ص سے صندوق

گھروں میں جو صندوق ہوتے ہیں۔ ان میں کپڑے پڑے رہتے ہیں۔ فلم میں جو صندوق ہوتے ہیں۔ ان میں فلم کے ڈبے پڑے رہتے ہیں۔ یا میک اپ کا سامان پڑا رہتا ہے۔

فلم میں ایک صندوق جادو کا صندوق ہوتا ہے جسے کھولتے ہی اس میں سے جادو کا جن نکلتا ہے۔ یا کوئی خوبصورت لڑکی نکلتی ہے یا کالا ناگ نکلتا ہے

مگر فلمی دنیا میں سب سے قیمتی صندوق فلم فنانسر کا ہوتا ہے۔ فنانسر انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ مگر فلم والوں نے فلم کے ساتھ فنانسر کے لفظ کو بھی اپنی ڈکشنری میں داخل کر لیا ہے۔

صرف معنی بدل گئے ہیں۔

انگریزی زبان میں فنانسر اس آدمی کو کہتے ہیں جو پیسہ لگاتا ہے۔ ہمارے فنانسر اس آدمی کو کہتے ہیں جو پیسہ نہیں لگاتا ہے۔

آپ پوچھیں گے یہ کیسے ممکن ہے۔؟ پیسہ نہ لگائے بغیر آدمی فلم کا فنانسر کیسے بن سکتا ہے۔؟

معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ اور مشکل ہے۔ مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ مگر میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ معاملہ حساب کا ہے ذرا غور سے سنو بچو ــــــ!

فرض کر لیجئے کہ آپ کے پاس وہ جادو کا صندوق ہے جس میں کالے سفید بازار کے نوٹ بھرے ہوئے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ آپ کے صندوق میں نوٹ بھرے ہوئے ہوں اگر بازار میں اسکی شہرت ہے کہ آپ نوٹوں سے بھرا ہوا صندوق رکھتے ہیں۔ (چاہے اندر سے وہ صندوق خالی ہی کیوں نہ ہو) بس فلم فنانسر بننے کے لئے یہی شہرت کافی ہے۔

اگر بازار میں آپ کا نام ہے۔ اگر لوگ جانتے ہیں کہ آپ لکھ پتی ہیں۔ تو آپ فوراً فلم فنانسر بن سکتے ہیں اور کسی پروڈیوسر سے لکھت پڑھت کر کے کسی فلم کے تمام ارضی و آسمانی حقوق

خرید سکتے ہیں۔ ایسے حقوق خریدنے والے کو فلمی اصطلاح میں "ورلڈ رائٹ کنٹرولر" کہا جاتا ہے۔

جونہی آپ کنٹرولر بن گئے فلم پروڈیوسر اخباروں میں اپنی فلم کا اشتہار دیتا ہے۔ اس اشتہار کو دیکھتے ہی پروڈیوسر کے پاس دھڑا دھڑا بڑے بڑے ڈسٹری بیوٹر یعنی فلم تقسیم کرنے والوں کے آفر آنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ فلم کے بڑے ستارے اور فلم کے بڑے فنانسر کا نام دیکھ کر پروڈیوسر کو ایڈوانس چیک بھی دے جاتے ہیں۔ اور فلم اپنے لئے زیر و کرائے جاتے ہیں مگر یہ روپیہ ایڈوانس کا پروڈیوسر کی جیب میں نہیں جاتا ہے۔ فنانسر کے صندوق میں جاتا ہے

فرض کر لیجئے کہ ایڈوانس میں دو لاکھ روپیہ آیا۔ اب فنانسر یہ دو لاکھ روپیہ (جو اس نے نہیں لگایا) قرض پر پروڈیوسر کو دیدیتا ہے۔ قرضہ کی شرائط بہت آسان ہیں۔

دو لاکھ پر لونی صدی سود ہے کہ اس سے زیادہ گورنمنٹ کی اجازت نہیں)

دو لاکھ پر رائلٹی بارہ فیصدی کے حساب سے ——

دو لاکھ پر دو فی صدی دلال کا کمیشن (دلال بھی فنانسر)

خود ہوتا ہے

دو لاکھ پر اوور رائیٹنگ کمیشن ——— دو فی صدی

یہ کل ملا کے خود اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور بقیہ ڈیڑھ لاکھ وہ فلم پروڈیوسر کے حوالہ کرتا ہے۔ جس سے فلم بننا شروع ہو جاتی ہے۔ بیچ میں اگر فلم رک جاتی ہے تو فنانسر بڑی خوش دلی سے وہ پچاس ہزار بھی جو اس سے پہلے کاٹ لیا تھا۔ اب بطور قرض پروڈیوسر کے حوالہ کرتا ہے۔ اسی پچیس فی صدی سود پر جس کا بیان اوپر بیان کر چکا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی شرائط ہوتی ہیں۔ پروڈیوسر اور فنانسر کے درمیان ——— بالعموم فنانسر منافع میں سے پچاس فیصدی کا حقدار ہوتا ہے۔ یہ ہو گیا پچھتر فیصدی ——— پھر اوور فلو ——— OVER FLOW میں سے بھی خاصی رقم سمیٹ لیتا۔ لیتا ہے۔ کل ملا کے جب پروڈیوسر آخر میں حساب کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ منافع تو فنانسر کے صندوق میں گیا اور اسکے حصہ میں گھاٹا آیا ہے۔

سات لاکھ کا۔!

سات لاکھ کا۔!

تب وہ سر کھجا کر بڑی حسرت سے فنانسر کے
صندوق کی طرف دیکھتا ہے
اور ـــــــ کہتا ہے
"ص ـــ سے صندوق۔"

"ض سے ضد"

پروڈیوسر پہلی فلم تو منافع کے لئے بناتا ہے۔ دوسری فلم پہلی کا گھاٹا اتارنے کے لئے ـــ تیسری پہلی دو فلموں کا قرضہ اتارنے کے لئے اور اس طرح وہ ضد میں ایک کے بعد دوسری فلم بنائے چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس پر پچیس تیس لاکھ کا قرضہ ہو جاتا ہے ـــ تب وہ دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اور کپڑے جھاڑ کر فلم لائن سے الگ ہو جاتا ہے۔

سبھی فنانسر بڑے نہیں ہوتے۔ سبھی پروڈیوسر گھاٹے

میں نہیں رہتے۔ مگر کامیابی اور ناکامیابی کی شرح ایک اور چار کی ہے۔ ایک فلم کامیاب ہوتی ہے تو چار نہیں۔ ایک آدمی لکھ پتی ہوتا ہے۔ تو چار لکھ پتی دیوالیہ ہو تے ہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ فلم میں کام کرنے والے لوگ بڑے بہادر اور جیالے ہو تے ہیں۔ جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی فیلڈ میں آکر فلمیں بناتے چلے جا رہے ہیں۔

"ض سے ضد۔"

"ط سے طمانچہ۔"

فلم چلانے کے لئے طمانچہ کی اکثر ضرورت پڑتی ہے جب فلم چلتے چلتے بور کرنے لگتی ہے۔ تماشائی اکتانے لگتے ہیں یا اونگھنے لگتے ہیں۔ اس وقت ہیرو ولن ہیرو کے یا ہیروئن

ہیرو کے تڑسے طمانچہ مار دیتی ہے۔ اور کہانی آگے چلنے لگتی ہے طمانچہ اتنے زور کا ہوتا ہے کہ اونگھنے والے تماشائی بھی جاگ اٹھتے ہیں۔

خاص کر گھریلو فلموں میں طمانچہ بہت کام آتا ہے۔ فرض کر لیجئے گھر کے سب لوگ بیٹھے ہیں۔ بھائی بہن ساس دلہن باپ یا ہیرو۔ میٹھی میٹھی باتیں ہو رہی ہیں۔ تماشائی جمائی لینے لگتے ہیں۔

کیونکہ اس سین میں کیا مزا ہے۔ بس تڑسے ایک طمانچہ ساس دلہن کے یا دلہن ساس کے مار دیتی ہے۔ اور کہانی آگے چلنے لگتی ہے۔ آگے جا کر جب پھر کہانی رکنے لگتی ہے۔ تو ہیرو اپنے باپ کو طمانچہ مار دیتا ہے۔ اور کہانی پھر چلنے لگتی ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ فیملی پکچر کی کہانی طمانچہ کے سہارے ہی چلتی ہے۔ کئی تصویروں میں تو ایک دو طمانچوں کے بجائے چھ سات آٹھ طمانچے مارے جاتے ہیں۔ جہاں کہانی بور محسوس ہونے لگی وہیں طمانچہ پڑ گیا۔ اسی طرح طمانچہ کھا کھا کے کہانی آگے چلتی ہے۔

اور جب طمانچہ سے کام نہ چلے تو طوفان آ جاتا ہے۔ کیونکہ

طوفان بھی "ط" سے ہے۔ ذہنی اور جذباتی طوفان سے کام نہ چلے تو بیچ میں کا طوفان آتا ہے۔ بادل کڑکتے ہیں۔ بجلی چمکتی ہے۔ بارش موسلا دھار برستی ہے۔ ایسے میں ہیرو یا ہیروئین کسی کا ایکسیڈنٹ لازمی ہے۔ کوئی نہ کوئی زخمی ہو جاتا ہے اور کہانی آگے کو روانہ ہو جاتی ہے۔

اکثر فلموں میں اسی طرح دھکے دے دیکر کہانی کو اختتام تک پہونچایا جاتا ہے۔

آپ بھی تو ایسی فلمیں بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے مارو اپنے منہ پر طمانچہ۔

اور کہو۔

"ط" سے طمانچہ

"ظ سے ظالم۔!"

ہر فلم میں ایک ظالم ہوتا ہے۔ اور ظالم کے بغیر کوئی فلم نہیں بنتی۔

ظالم کو فلم والے اپنی اصطلاح میں ولن کہتے ہیں۔ ولن کا مفصل بیان "و" میں آئے گا۔ جب تک اتنا یاد رکھو۔

"ظ سے ظالم۔!"

"ع سے عقل"

بچو! عقل اس کو کہتے ہیں جس کی فلم بنانے میں ضرورت نہیں پڑتی۔ ورنہ ہر عقل والا فلم کا دھندا شروع کر لیتا اور لاکھوں کما لیتا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ فلم میں عقل لگاتے ہیں۔ ناکام رہتے ہیں۔ اور جو لوگ عقل کے بجائے اٹکل سے کام لیتے ہیں بہت کامیاب رہتے ہیں۔

ایک بچہ بھی فلم بنا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے پاس ڈھیر سارا روپیہ ہو۔ آجکل ایک معمولی فلم بھی چھ سات لاکھ روپے سے کم میں نہیں بنتی اور اچھی فلمیں تو تیس چالیس لاکھ تک جاتی ہے۔ جس فلم میں جتنی کم عقل اور جتنا زیادہ روپیہ استعمال کیا جائے گا وہ اتنی ہی کامیاب ہو گی۔

اگر آپ کے پاس عقل ہے تو اس عقل سے روپے کو خریدنا بہت مشکل ہے۔ لیکن آپ کے پاس روپیہ ہے تو

اس سے عقل کو خریدنا بہت آسان ہے کیونکہ عقل والے
ہزاروں کی تعداد میں فلم کے بازار میں اپنے خوانچے لگائے

عقل بیچتے نظر آتے ہیں۔ کوئی اپنا قلم بیچتا ہے
کوئی اپنا رنگ روپ کوئی اپنا ہنر کوئی فن —— جو جسکے پاس
پاس ہے بیچتا چلا جا رہا ہے۔
آجکل مہنگائی کا زمانہ ہے سوائے عقل کے ہر چیز
کے دام بڑھ گئے ہیں۔ آجکل گوبھی مہنگی ہے مگر عقل سستی ہے
کپڑا مہنگا ہے مگر عقل سستی ہے۔ مکان مہنگا ہے مگر عقل
سستی ہے۔ اتنی سستی ہے۔ کہ بازاروں میں پڑے پڑے
سڑ رہی ہے اور کوئی پوچھتا نہیں۔
اس لئے بچو! اگر تم فلم بنانا چاہتے ہو تو عقل کی دم
میں دھاگہ باندھو۔ اور کہو!

"ع سے عقل۔!"

غ سے غنڈہ!

غنڈہ ولن کا چمچہ ہوتا ہے۔ غنڈہ ہاتھ چلاتا ہے
پاؤں چلاتا ہے۔ اور سر میں چونکہ عقل نہیں ہوتی۔ اس لئے
سر سے بھی ٹکریں مار لینے کا کام لیتا ہے

غنڈے کو لوگ اکثر برا بھلا کہتے ہیں مگر غنڈہ دراصل
بہت معصوم اور بھولا بھالا ہوتا ہے۔ وہ بے چارہ تو بالکل
بیل ہوتا ہے۔ جسکی نکیل اس کے مالک کے ہاتھ میں ہوتی ہے
اور مالک اسکی نکیل سے اسے جدھر چاہئے گھما دیتا ہے۔

ابھی میں نے غنڈے کو ولن کا چمچہ کہا مگر چمچہ اور غنڈہ
میں بہت فرق ہے۔ چمچہ کبھی وفادار نہیں ہوتا۔ غنڈہ ہمیشہ
وفادار رہتا ہے۔ چمچہ چالاک ہوتا ہے۔ غنڈہ سیدھا
سادھا ہوتا ہے۔ چمچہ اپنے آپ کو کبھی خطرہ میں نہیں ڈالتا
غنڈہ اپنے مالک کے لئے جیل تک چلا جاتا ہے۔ غنڈہ
بالکل بیل ہے بیل

اس لئے بچو! اگر تم بیل نہیں انسان بننا چاہتے ہو
تو کہو۔
"غ سے غنڈہ!"

"ف سے فلم!"

جب ہم دودھ پیتے بچے تھے تو ابھی فلم ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ آجکل دودھ پیتے بچے بھی فلم دیکھتے ہیں۔ اس لئے فلم کے بارے میں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں ـــــ آجکل کے بچے فلم کے بارے میں بڑوں سے زیادہ جانکاری رکھتے ہیں۔

ایک دن جب میں محکمہ تعلیم کا ایک انسپکٹر تھا ایک اسکول کا معائنہ کرنے کے لئے پہنچا۔ اور کچھ بتائے بغیر چھٹی جماعت کے بچوں سے سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ بچوں کی معلومات دیکھ کر میں حیرت میں رہ گیا۔

چند سوال و جواب نمونے کے طور پر تحریر ہیں کیونکہ چند سوالوں کے جواب میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔

سوال :۔ ترکوں کے بارے میں اپنی معلومات بیان کرو۔

جواب :۔ زبان یار من ترکی کا گیت وہیں سے آیا ہے۔

سوال :۔ جنوبی ہند کے بڑے بڑے شہروں کے نام لو۔

جواب :۔ جیمنی ، واسن ، اے وی ایم اور مدراس

سوال :۔ نور جہاں کا اصلی نام کیا تھا۔؟

جواب :۔ نسیم بالو۔!

سوال :۔ شہید اعظم بھگت سنگھ کون تھا۔؟

جواب :۔ منوج کمار۔!

سوال :۔ تاج محل کس نے بنوایا۔؟

جواب :۔ پروڈیوسر کریم بھائی ندیا ڈوالا نے!

اسی قبیل کے جواب سن کر میری معلومات میں وہ شاندار اضافے ہوئے ہیں کہ میں نے اسی جنرل نالج کی بنا پر یہ فلمی قاعدہ لکھنے کی جرات کی ہے۔

اس لئے بچو! اپنی درسی کتابوں کو ردی کی ٹوکری

میں ڈالو۔ اور کہو
"ف سے فلم۔!"

"ق سے قینچی۔!"

قینچی سنسر کے پاس ہوتی ہے اور سنسر حکومت کا وہ ادارہ ~~بنتا~~ ہے۔ جو کسی فلم کو پاس کرتا ہے۔ یا فیل کرتا ہے جو اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ آیا یہ فلم اس قابل ہے کہ اسے پبلک کو دکھایا جا سکے۔؟

فلم پروڈیوسر ایٹم بم سے اس قدر نہیں ڈرتا ہے جس قدر وہ سنسر کی قینچی سے ڈرتا ہے۔ اگر آپ بھی اپنی فلموں میں مناظر نہیں دیکھتے ہیں جن کو دیکھنے کی آپ کو ہوس ہے یا حسرت ہے تو اس کے لئے سنسر کی قینچی ذمہ دار ہے۔ اور اگر کوک شاستر اور فلم میں کوئی فرق باقی ہے۔ تو محض

سینسر کی قینچی کے سہارے ــــــ اس لئے فلم سینسر بورڈ کی قینچی کو دعا دیجئے۔ اور کہیئے۔

"ق سے قینچی۔!"

"ک سے کشمیر"

ک سے کشمیر ہے، جس کے بغیر آجکل کوئی ہندوستانی فلم مکمل نہیں ہو سکتی۔ چند سال پہلے یہی حیثیت ناگ کو حاصل تھی۔ ہر پکچر میں کسی نہ کسی طرح سے ناگ دکھایا جاتا تھا۔ ناگ ہے کہ ہیرو کے سامنے پھن پھیلائے کھڑا ہے ہیروئین کے قدموں سے لپٹا جا رہا ہے۔ ولن کو ڈس رہا ہے ــــ کسی نہ کسی شاٹ میں ناگ کو دکھانا ضروری تھا۔ اس زمانے میں ناگ کے بغیر کوئی پکچر نہیں چل سکتی تھی۔ آجکل کشمیر کے بغیر نہیں چل سکتی۔ کہتے ہیں کہ آجکل ہیرو اور ہیروین فلم کے

کانٹریکٹ پر دستخط کرنے سے پہلے پوچھ لیتے ہیں۔" کیوں صاحب!
اس فلم میں کشمیر ہے۔؟
اگر ہے تو کانٹریکٹ پر دستخط ہو جاتے ہیں ورنہ کہانی
بدلنا پڑتی ہے۔!
ک سے کڑکی بھی ہے جو کشمیر سے آنے کے بعد شروع
ہوتی ہے۔ کشمیر میں سیر سپاٹا کرنے اور اندھا دھند روپیہ
اڑانے کے بعد فلم کمپنی بہت لخت کڑکی چھا جاتی ہے۔ ملازموں
کو تنخواہیں نہیں ملتیں۔ ایکٹروں کی قسط روک دی جاتی ہے۔ وہسکی
کی بوتلوں میں ٹھرا ڈال کے پیا جاتا ہے۔ اور آفس کا کرایہ چڑھنا
شروع ہو جاتا ہے۔ یہ تنگی جسے بمبئی کی زبان میں "کڑکی" کہتے ہیں
مہینوں تک چھائی رہتی ہے۔ سب فلم والے کڑکی کا مزہ جانتے
ہیں اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایک مہینے وہسکی پینا چھ مہینے ٹھرا
پینا ایک مہینہ کرایہ دینا اور دس مہینے نہ دینا۔ ایک مہینہ پلاؤ کھاؤ
اور دوسرے مہینے چنے چبانا انکی عادات میں شامل ہو چکا ہے
سنا ہے کہ افریقہ کا اونٹ صحرا میں کھائے پیئے بغیر آٹھ دن
تک زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن فلم کے ریگستان میں چلنے والے
اونٹ مہینوں کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں! زندگی کا یہ اتنا

معجزہ ہے جس پر سائینسداں کو جلد سے جلد توجہ دینی چاہئیے
ک سے کہانی بھی ہے مگر چونکہ یہ ہر دوسرے دن بدلتی
رہتی ہے اس لئے اسکے متعلق کچھ کہنا لا حاصل ہے۔
ک سے کمپنی ہے۔ جہاں علم کا کاروبار ہوتا ہے۔
ک سے کٹ ہے، جو ہر شارٹ کے بعد بولا جاتا ہے۔
لیکن ان سب میں مزے کی چیز ہے کشمیر۔ اس لئے
یاد رکھو۔

"ک سے کشمیر۔!"

"کھ سے کھیشتر۔!"
(میدان)

کورو کھیشتر میں مہابھارت کی جنگ لڑی گئی تھی
کے کھیشتر میں ہر روز مہابھارت کی لڑائی ہوتی ہے۔ فرق صرف

اتنا ہے کہ یہاں دروپدی کے بجائے ہیروئین کا ہرن ہوتا ہے
گدوا کے بجائے چیک بک کا ایڈوانس دیا جاتا ہے۔ ارجن
کے بان کی بجائے نظروں کے بان چلائے جاتے ہیں۔ ساکھنڈی
کے بجائے پاکھنڈی آتے ہیں۔ لیکھک کو بھیشم پتامہ کیطرح
گھائل کر کے پتروں کے بستر پر لٹا دیا جاتا ہے اور پروڈیوسر
ادھار کا ابھیمنیو چکر چلا کر سب کو الجھاتا جاتا ہے۔ یہاں سنجے
کی جگہ کیمرہ مین اور ساؤنڈ ریکارڈسٹ ہوتے ہیں اور دیکھنے
والے سب دھرت راشٹر کی طرح اندھے ہوتے ہیں۔

آئیے آؤ مہابھارت کی لڑائی دیکھو۔

صرف ایک روپے میں!

"کھ" سے کھیشتر۔!

"گ سے گاڑی"!

گ سے گاڑی، ریل گاڑی نہیں۔ بلکہ موٹر گاڑی زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح فلم میں بھی گاڑی عزت کا سب سے بڑا نشان ہے۔ آجکل آدمی اپنے کام سے نہیں اپنی گاڑی سے پہچانا جاتا ہے۔ گھر میں چاہے بھونی بھانگ تک نہ ہو۔ صوفہ نہ ہو راشن نہ ہو۔ چائے نہ ہو۔ بچوں کے لئے اسکول کی فیس تک نہ ہو۔ لیکن گھر کے باہر گاڑی ضرور کھڑی ہو۔ جب تک گاڑی چلتی ہے آپ کی فلم چلتی ہے۔ اس لئے تو بھگت کبیر نے چلتی کو گاڑی کہا ہے! اور اسی لئے فلم میں ہر منفرد آدمی گاڑی رکھتا ہے۔ گاڑی نئی ہو یا پرانی، الٹی ہو یا سیدھی۔ اس سے بحث نہیں۔ لیکن وہ لمبی ضرور ہونی چاہیئے اور جس آدمی کے پاس جتنی لمبی گاڑی ہوگی اتنا ہی لمبا کانٹریکٹ اسے فلم میں ملے گا۔ اس لئے بھگوان کے بعد ہمیشہ گاڑی کا دھیان دھیرو اور کہو۔

"گ سے گاڑی"!

"گھوسے گھپلا۔!"

یہ ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ لیکن فلمی دنیا میں کچھ زیادہ ہی پایا جاتا ہے۔ دوسری جگہوں پر کبھی کبھی گھپلا ہوتا ہے۔ یہاں پوری فلم گھپلے بازی میں بنائی جاتی ہے۔ دوسری جگہوں پر اس لفظ کا استعمال کبھی کبھی ہوتا ہے۔ یہاں ہر روز ہوتا ہے۔

ویسے یہ لفظ بہت خطرناک ہے۔ اگر کوئی پروڈیوسر کسی کہانی لکھنے والے کے کندھے پر ہاتھ مار کے بڑی محبت سے کہے "یار" کیا بتائیں۔؟ عجب گھپلا ہو گیا۔! تو سمجھ لو کہ آس کہانی کار کا اسکی فلم سے پتہ کٹ گیا۔ اگر کوئی ہیرو۔ پروڈیوسر سے یہی کہے تو سمجھ لو کہ وہ شوٹنگ کی ڈیٹ کینسل کر کے پندرہ روز کے لئے کہیں باہر کو جانے والا ہے۔ اگر ہیروئن یہی کہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنی انکم ٹیکس کی اگلی قسط کے لئے پیسے مانگنے والی ہے۔ اور اگر ڈسٹری بیوٹر پروڈیوسر سے کہے تو سمجھ لو کہ وہ اسکا چیک ڈس آنر Dishonour کرنے والا ہے

کوئی فلم والا کسی موٹی سے موٹی گالی سے اتنا نہیں گھبراتا ہے جتنا اس ایک لفظ "گھپلے" سے! اس وقت چاہے تم اس لفظ کو یاد رکھو نہ رکھو لیکن اگر کبھی فلم میں گئے تو ہر روز اس کو یاد کرو گے اور ماتھے پر ہاتھ مار کر کہو گے۔

"گھ سے گھپلا۔!"

"ل سے لکھنے والا۔!"

عام لوگوں کا خیال ہے کہ فلم بننے سے پہلے لکھی جاتی ہے۔ یا لکھی جاتی ہوگی۔ کبھی کبھار ایسا ضرور ہوتا ہے۔ مگر عام طور پر فلم پہلے بنتی ہے بعد میں لکھی جاتی ہے۔ آپ پوچھیں گے بعد میں لکھنے سے کیا فائدہ؟ وہ اس لئے کہ جب فلم تیار ہو کے سنسر کے پاس جاتی ہے تو سنسر اپنی قینچی چلانے سے پیشتر فلم کا کاغذی مسودہ مانگتے ہیں۔ اس وقت لکھنے والے کی ضرورت

پڑتی ہے۔ لکھنے والا جسے کچھ لوگ لیکھک یا ادیب بھی کہتے ہیں اس وقت کام میں آتا ہے۔ اور فلم کو دیکھ کر فلم کے مکالمے اور سین ایک بڑی لفٹ بک میں درج کرتا جاتا ہے۔ جسے فلم کے لوگ "چوپڑی" کہتے ہیں۔ چوپڑی تیار کرنا لیکھک کا سب سے اہم کام ہے اس کے علاوہ وہ فلم بنتے بنتے پہلے ایک کہانی کبھی پروڈیوسر کو سناتا ہے۔ جسے فوراً رد کر دیا جاتا ہے اس کے بعد لیکھک کو ایک کہانی سنائی جاتی ہے۔ یہ کہانی ڈائریکٹر سناتا ہے ڈائریکٹر کو یہ کہانی پروڈیوسر نے سنائی ہوتی ہے اور پروڈیوسر کو ہیرو نے اور ہیرو کو اس کے سکریٹری نے غالباً کسی ہالی ووڈ کی فلم سے چرائی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے یہ کہانی لیکھک کے گلے منڈھ دی جاتی ہے۔

اسی طرح سے منظر نامہ اور مکالمہ تیار ہوتا ہے۔ اسٹوڈیو کے سیٹ پر ہیرو کو گذشتہ رات کی دیکھی ہوئی کسی مغربی فلم کے مکالمے یاد آتے ہیں۔ وہ لیکھک کے بنائے ہوئے مکالمے رد کرکے اسی وقت وہی رات والے مکالمے بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح ہیروئین نے بھی کوئی تصویر دیکھی ہوتی ہے جسکے مکالمے اسے پسند ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی پسند کے مکالمے

بولتی ہے ہیرو ئین کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ہیروئین اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بے چارہ لیکھک سین کو بچانے کے لئے کبھی ہیرو کی طرف دوڑتا ہے۔ کبھی ہیروئین کی طرف۔ اسی دوران کامیڈین آجاتا ہے اور وہ سین کو اپنی طرف کھینچنے لگتا ہے۔ اس کھینچا تانی میں اکثر سین پھٹ جاتا ہے۔ پھر اس کے ٹکڑے لیکھک کے حوالے کئے جاتے ہیں اور اسے اسٹوڈیو کے ایک کونے میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ آرام سے اپنے پھٹے ہوئے چیتھڑوں کو اپنی فلم کی سوئی اور خیال کے دھاگے سے سینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب وہ سین کو سی کر اور اس کے ٹکڑے جوڑ کر ڈائریکٹر کے پاس واپس آتا ہے۔ تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ سین تو شوٹ ہو چکا۔

اسی طرح سین پر سین پر شوٹ ہوتے رہتے ہیں۔ مکالمے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ فلم بنتی رہتی ہے۔ اور جب فلم بن جاتی ہے تو اس پر لکھنے والا کا نام دے دیا جاتا ہے۔ خس کم جہاں پاک

ل سے لیکھک۔

"م سے مکھن۔!"

یا

مسکہ

م سے مکھن جسے بزبان بمبئی مسکہ کہتے ہیں۔ دوسری جگہوں پر مکھن کھایا جاتا ہے۔ بمبئی میں مکھن یعنی صرف مسکہ لگایا جاتا ہے اور اگر ایک بار لگانے سے شفا نہ ہو تو بار بار لگایا جاتا ہے۔ بمبئی میں مسکہ ہر قسم کا ہوتا ہے۔ اور بافراط ملتا ہے۔ لیکن سب سے اچھا مسکہ وہ ہے جو فلمی ڈیری فارم میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ چکنا دبیز اور گداز ہوتا ہے کہ اسے لگاتے ہی چہرے کے کیل چھائیاں اور دل کے داغ غائب ہو جاتے ہیں۔ اور خبیث سے خبیث صورت فلمی انسان بھی فرشتہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس مسکے کے سامنے "روغن خاص" کی بھی کوئی حیثیت نہیں اور جو لوگ باہر جا کر ولایت تک کو ہاتھ لگا آئے ہیں انکا بھی یہی کہنا ہے کہ بمبئی کا مسکہ اصل ہے اور باقی سب نقل ہے۔

اس مسکے کے لگانے کی بھی ایک ترکیب ہے جو دراصل مسکے

کی ڈلی کے ہمراہ روانہ کی جاتی ہے تاکہ ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھائیں اور بارگاہ الہی میں بندے حق میں دعا گو ہو جائیں۔

یوں تو مسکہ لگانے کی بہت سی ترکیبیں ہیں ایک تو وہ ہے جیسے بمبئی کے محاورہ میں کہا گیا ہے۔ "جیسا منہ ویسا مسکہ" یعنی آدمی جتنا فلمی رتبے کا مالک ہوگا اسے اسی اعتبار سے مسکہ لگایا جائے گا مسکہ بھی تپلا ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ آخر میں بالکل کھوپرے کا تیل ہو کر رہ جائے گا۔ اسی موقع کے لئے بمبئی والے کہتے ہیں مسکہ دیکھو مسکے کی دھار دیکھو۔

لیکن مسکہ پتلا ہو یا گاڑھا۔ دیشی ہو یا ولائتی اسے ہیروئین کو بہر حال لگانا ہی پڑے گا۔ وگرنہ نہ نو من مسکہ ہوگا نہ ہیروئین ناچے گی۔ اگر ہیروئین نہیں ناچے گی تو ہندوستانی فلم کیسے بنے گی۔ مسکہ لگانے کی سب سے اچھی ترکیب میرے عزیز دوست شاعر اختر الایمان نے ڈھونڈ نکالی ہے۔ وہ اس کے موجد نہیں ہیں۔ ایسے انہوں نے اتفاقیہ دریافت کیا ہے چنانچہ حضرت اختر الایمان ہدایت کرتے ہیں اور خاکسار آپ سے بیان کرتا ہے۔ کہ بہت دن گذرے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عروس البلاد بمبئی میں ایک مشہور معروف ڈائریکٹر ہوتا تھا۔ جس کا

نام صادق تھا۔ ہر چند کہ وہ بے ریا اور پاک باز مرد تھا۔ اور اپنے فن میں یکتائے روزگار تھا۔ لیکن مسکہ والے فلک ناہنجار کیطرح کہاں کسی کا پیچھا چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ یہ فلم والے اس ڈائریکٹر کے کے گھر پہونچ جاتے اور اسے اس صفائی سے مسکہ لگاتے کہ جس صفائی سے اس نے خود کسی کو مسکہ نہ لگایا ہوگا۔ اور اس کے بعد اپنا کام حاصل کر کے یہ مسکہ باز شاداں اور فرحاں خوشی خوشی کنٹریکٹ حاصل کر کے گھر لوٹتے اور چھوٹتے ہیں کسی بار میں بیٹھ کر کسی لال پری کے درشن کرتے کیونکہ لال پری اور مسکے کا بہت میل جول ہے۔ کبھی مسکہ پہلے آتا ہے لال پری بعد میں۔ کبھی لال پری پہلے مسکہ بعد میں۔ لیکن آتے دونوں ضرور ہیں۔ ہاں جب سے نشہ بازی سرکاری طور سے بند ہوا ہے یار لوگ سرکاری طور پر مسکہ لگاتے ہیں۔ اور غیر سرکاری طور پر لال پری کا بندوبست کرتے ہیں۔ تاکہ مکھن کی ذہانت میں اور دماغ کی ذہانت میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ روایت کہتے ہیں شاعر اختر الایمان کہ ایک دفعہ چند ماہ سے بیکار تھے اور اس لئے مبتلائے آزار تھے وہ باندرہ پل پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھے تھے اور نیچے سمندر میں کود جانے کی سوچ رہے تھے کہ یکایک انکے دل میں آیا کہ کیوں نہ مرنے سے

قبل ایک دفعہ صادق صاحب کے ہاں جاکر مسکہ آزمائی کی جائے شاید امید بر آئے۔ تقدیر سدھر جائے۔ کھولی کا کرایہ نکل آئے یہ سوچ کر وہ مردہ بابندہ پل سے بھاگ کھڑا ہوا اور دوڑتے دوڑتے صادق کے مکان پر پہونچا۔ وہ مشہور و معروف ڈائریکٹر اس وقت اپنی کہانی میں ایک سین تبدیل کر کے ہیروئین کی نانی کو رول دے رہا تھا کہ اختر الایمان نے دروازہ کھٹکھٹایا

ڈائریکٹر نے شاعر کو گلے لگالیا۔ اور بڑے تپاک سے اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کے اسے صوفہ تک لے گیا۔ اور اسے اپنے سامنے بٹھا کے بولا۔ پہلے اپنی نظم سناؤ گے کہ پانی پیو گے اختر الایمان نے کہا۔ پہلے نظم سناؤں گا۔ کیونکہ ایسے دوست پانی پلانے والے تو بہت مل جاتے ہیں۔ لیکن نظم سننے والا کوئی نہیں تھا۔

صادق بہت خوش ہوا۔ اور اختر سے اس کی نئی نظم سننے لگا۔ نظم چونکہ ترقی پسند تھی اس لئے کہیں سے مسکے کی گنجائش نہ رکھی تھی۔ نظم سناتے سناتے اختر کو اسکا برابر خیال رہا اور وہ سوچتا رہا کہ اگر وہ پرانے زمانے کا قصیدہ گو ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ یا وہ آج کل کے زمانے کا ادب برائے روزگار کا پجاری ہوتا تو وہ نہ صرف ایک قصیدہ لکھتا بلکہ فلمی پرچہ کبھی صادق کے

نام نکال دیتا ہے کیونکہ اگر نوشاد کے نام فلمی پرچہ نکل سکتا ہے تو صادق کے نام کیوں نہیں نکل سکتا۔ پھر شاہد ایک دن وہ بھی آ جائے کہ فوراً اسکے نام ایک پرچہ نکل آئے۔ فلمی ہیرو بن بنے لے کر سٹنٹ بوائے تک کے نام فلمی پرچہ نکل آئے۔ اختر نے سوچا اس کے بغیر فلم انڈسٹری کا نرمان مشکل ہے۔ یہی سوچتے سوچتے اختر الایمان اپنی نظم بھول گیا۔ صادق نے کہا۔ آگے سناؤ اختر نے جلدی سے جواب دیا۔ بس یہیں تک لکھی ہے۔ صادق نے کہا بہت اچھی نظم ہے۔ لیکن اگر تم اسے گیت میں تبدیل کر دو تو میں تمہیں ۵۵ء میں اسے استعمال کر لوں گا۔ اختر یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ آج سے پانچ سال بعد کے روزگار کا مسئلہ تو حل ہوا۔ اب ان چاروں سالوں میں جو ہوگا اسے کسی نہ کسی طرح بھگت لیں گے یہی سوچکر وہ آگے مسکہ لگانے کی فکر میں تھا اور جانتا نہیں تھا کہ کون سے خمیر کا مسکہ لگایا جائے کہ اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا آدمی کلے میں پان دبائے بھاگتا ہوا اندر آیا اور آتے ہی صادق صادق صاحب کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر بیٹھ گیا۔

صادق نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیا بات ہے بھئی۔ نووارد نے کہا۔ انگوٹھا نہیں چھوڑوں گا۔ صادق بھائی چاہے کچھ بھی ہو

صادق نے اور بھی پریشان ہو کر کہا۔ آخر کچھ تو کہو کیا بات ہے۔؟

نو وارد نے کہا انگوٹھا نہیں چھوڑوں گا۔ صادق بھائی چاہے جان چلی جائے۔

صادق نے سچّا پریشان ہو کر کہا۔ مگر آخر کیوں نہیں چھوڑو گے میرا انگوٹھا کچھ بات تو بتاؤ۔ نو وارد نے پھر اسی لہجہ میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ انگوٹھا نہیں چھوڑں گا ایک بات ہے وہ آپ کو پوری کرنی ہوگی۔ صادق بھائی روزِ حشر تک آپ کا انگوٹھا نہیں چھوڑوں گا۔

اور یہ کہہ کر نو وارد نے صادق کے پاؤں کا انگوٹھا اور بھی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور جم کر فرش پر بیٹھ گیا۔ صوفہ پر بیٹھے ہوئے صادق کے چہرہ پر ایک معصوم سی مسکراہٹ آ گئی اور ایک ایسی ہی مسکراہٹ اختر کے بھی لبوں پر آ گئی۔ گو وہ اتنی معصوم نہیں تھی اور سنا ہے کہ نو وارد نے اپنی بات پوری کروائی اور جب بھی اس نے صادق کا انگوٹھا نہیں چھوڑا۔

لیکن یہ بھی روایت ہے کہ اس کے بعد اختر وہاں سے فوراً ہی چلدیئے اور جب انکے ایک عزیز دوست نے ان

سے پوچھا۔ کہ تم وہاں کیوں نہیں بیٹھے۔ جس کام کے لئے تم گئے تھے۔ اسے پورا کیوں نہیں کیا۔؟

تو اختر نے ایک آہ بھر کر جواب دیا، اسے جانثار، غمگسار عزیز دوست تو ہی بتا۔ جب اس نووارد نے مسکے کے لئے صادق کا انگوٹھا پکڑ لیا۔ تو میں کیا پکڑتا۔؟

جانثار دوست یہ سن کر چپ ہو گیا۔ اسی دن سے فلمی دنیا میں انگوٹھا پکڑنے کی رسم عام ہو چلی ہے۔ مرد کا انگوٹھا پکڑا جاتا ہے۔ اور عورت کی انگوٹھی پکڑی جاتی ہے۔ اور اگر پکڑنے والا سمجھدار ہو اور عورت ہیروئین ہو تو۔ اس کے سارے کے سارے زیور غائب کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر اس کے لئے کمال مشق اور مہا بھارت کی ضرورت ہے۔ بتاتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان میں اس فن کے اب چند ہی استاد رہ گئے ہیں

آج کل بمبئی کے لوکل سٹیشنوں پر جہاں آپ کو تیل مالش والے اور بوٹ پالش والے ملیں گے۔ وہاں مسکے باز بھی مل جائیں گے۔ جو ہتھیلی پر مسکے کی ڈلی لئے گھومتے ہیں۔ چلا کے کہتے ہیں مسکہ لگوالو۔ مسکہ لگوالو۔ تیل مالش دو آنے میں ہوتی ہے۔ اور بوٹ پالش ایک آنہ میں اور مسکہ پالش صرف دو پیسے میں ہو جاتا ہے

اسی لئے تو بمبئی شہر مجھے بہت پسند ہے۔ وہاں جب روز میری جیب میں ایک آنہ ہوتا ہے۔ میں دو پیسے کے چنے لیتا ہوں مسکہ منگواتا ہوں اور اس کے بعد باندرہ پل پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ جاتا ہوں اور تعریف کرتا ہوں بچو! اس خدا کی جس نے مسکہ بنایا۔

"ابتدائی مشق"

بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے۔ ——— باپ انگوٹھا پکڑ رہا ہے۔ یہ ہیڈ وژن ہے۔ وہ مسکے کی ڈلی ہے۔ بیچ میں نانی کھڑی ہے۔ کیسے تکو مسکہ ہضم نہیں ہوتا۔ باقی سب کچھ ہو جاتا ہے مُسکے سے مسکہ ملا کر لمبے ہاتھ۔ اور کسی داس غریب کی

کوئی نہ پوچھے بات

تُلسی داس کون تھا۔

اس کا اختر الایمان سے کیا رشتہ جواب کے لئے انگوٹھا

پکڑیئے

"ن سے نخــرہ ۔!

کسی زمانے میں صرف فلم پروڈیوسر نخرے کیا کرتے تھے آجکل نہیں کرتے۔ کسی زمانے میں ڈائریکٹر نخرے کرتے تھے۔ وہ زمانے بھی لد گئے۔ بیچ میں کچھ عرصہ کے لئے سنگیت کار اور گیت کار نخرے کرنے لگے تھے مگر جلد ہی اپنی حیثیت کو پہچان کر چپ ہو گئے۔ ہیروئین جو کہ بے چاری عورت ہوتی ہے۔ آج بھی نخرہ کرنے پر مجبور ہے مگر اب اس کا زمانہ بھی چلا گیا۔

آجکل صرف ہیرو نخرے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ۔!

(۱) جو آدمی اسٹوڈیو میں سب سے آخر اور سب سے لیٹ آتا ہے وہ ہیرو ہوتا ہے۔

(۲) جو میک اپ کرنے میں سب سے زیادہ وقت لیتا ہے وہ ہیرو ہوتا ہے۔

(۳) آٹھ گھنٹے کام کرنے کے بجائے جو صرف چار گھنٹے کے بعد سر درد کا بہانہ کر کے اسٹوڈیو سے رخصت ہو جاتا ہے وہ

صرف ہیرو ہو سکتا ہے۔

(۴) جس کے ڈرائیور کو لوگ سلام کریں۔ جس کے سیکرٹری کو لینے کے لئے لوگ اسٹوڈیو کے دروازہ تک استقبال کے لئے جائیں جسے دیکھتے ہی سیٹ پر ڈائریکٹر سپاہی کی طرح اٹین شن ہو جائے وہی ہیرو ہوتا ہے۔

ہیروئین بھی نخرے کرتی ہے۔ مگر کم کم۔ اس بے چاری کے نخرے نسوانی اور رومانی قسم کے ہوتے ہیں اور زیادہ تر ہیرو کی ذات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ فلم کے دوسروں لوگوں سے اس کا واسطہ بہت کم پڑتا ہے۔ اصلی نخرہ تو ہیرو کا ہے۔ اور جو آدمی ہیرو کے نخرے میں زیادہ گرم مصالحہ ڈالے گا۔ اتنا ہی کامیاب ہوگا۔

"ن سے نخرہ۔!"

"ن سے نام۔!"

ہر فلم کا ایک نام ہوتا ہے۔ پہلے صرف ایک لفظ والے نام پسند کئے جاتے تھے۔ جیسے "کنگن"۔ "بندھن"۔ "من"۔ وغیرہ پھر دو لفظ والے نام پسند کئے جانے لگے۔ جیسے "سدا سہاگن"۔ "نیا سویرا"۔ "ہم لوگ"۔ "کوہ نور" ـــــ پھر تین الفاظ والے نام فیشن میں آگئے۔ جیسے "مانگ کا سیندور"۔ "جنت کی حور"۔ دل سے دور ـــــ پھر چار لفظوں والے نام پاپلر ہوئے جیسے ہمارا کیا ہے قصور۔" "دل تو ہے مجبور۔" "ہم یہاں تو وہاں ہے چراغ کہاں روشنی کہاں۔" اب نام اتنے لمبے ہو گئے ہیں کہ انہیں پڑھتے پڑھتے فلم کی ادھی ریل ختم ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے اگر نام لمبے ہوتے گئے تو فلم، انٹرول کے بعد شروع ہوا کریگی۔

بعض فلموں کے نام اس طرح کے ہوتے ہیں کہ بچے انکے ذریعہ پہاڑے اور گنتی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ جیسے "ایک دو تین۔" "چار۔ پانچ۔ چھ۔" "نو۔ دو۔ گیارہ۔" "ایک

دل چار راہیں۔" "ایک دل دو افسانے۔" "ایک آنکھ آٹھ بہانے"

بعض ناموں سے جغرافیہ کا پتہ چلتا ہے۔ جیسے۔ "بغداد کا چور"۔ لکھنو کی ڈور۔" "روہیل کھنڈ کا مور۔" "لندن کا کبوتر۔" "نیویارک کا شور۔" "افریقہ کا آدم خور۔"

ہمارے کچھ فلم سازوں کو کچھ عرصہ سے یہ دھن سوار ہے کہ ہمارے ان پڑھ اور جاہل عوام کو انگریزی سکھائی جائے اسلئے وہ لوگ اپنی فلموں کے نام صرف انگریزی میں رکھتے ہیں۔ جیسے

"Love in Simla" لَو ان شملہ۔
"Love in Hong Kong" لَو ان ہانگ کانگ۔
"Love in Japan" لَو ان جاپان۔
"Love in Honolulu" لَو ان ہونولولو۔
"Love in Timbaktu" لَو ان ٹمبکٹو۔

کچھ برتنوں کے نام یاد کراتے ہیں۔ جیسے "پریتم کی گاگر" "پتن کٹورے۔" "پوجا کی تھالی"۔ "چائے کی پیالی" معلوم ہوتا ہے۔ گھر میں برتن ہی نہیں ہیں۔!

آجکل پُراسرار فلموں کا زمانہ ہے۔ ان فلموں کے نام بھی پراسرار ہوتے ہیں۔ "جیسے وہ کون تھی۔؟" "وہ کیا تھی؟"

"وہ کیوں تھی؟" انہیں مزید پراسرار بنانے کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ "وہ کیا تھی" کے بجائے نام یوں کہو ــــ وہ تھی .....

وہ !! تھی ــــــ وہ تھی ...... !! نام کا نام۔ کراس ورڈ کا کراس ورڈ۔

پروڈیوسر اگر عقل والا ہو تو نام کے بجائے پہیلی رکھ دے اور لاکھوں کمائے۔

... ن سے نام۔"

"ڈسے ویلن۔!"

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لوگ ویلن کو اسکرین پر دیکھتے ہی گالیاں سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ ویلن کو فلم میں اسی لئے رکھا جاتا ہے کہ لوگوں کو گالیاں دینے کی جو عادت ہے اس کا مناسب استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ عین ممکن ہے کہ ویلن کی غیر موجودگی میں وہ کہیں ہیرو۔ ہیروئین یا پروڈیوسر کو گالیاں۔ سنانا نہ شروع کر دیں۔ اسی لئے جس ویلن کو جتنی زیادہ گالیاں ملتی ہیں فلم کمپنی سے اسے اتنے ہی زیادہ پیسے ملتے ہیں۔ ایک دفعہ میں اپنے ایک ویلن دوست کے ساتھ اس کی پکچر دیکھنے گیا پکچر دیکھنے کے بعد جب ہم سینما سے نکلے تو ویلن رو رہا تھا۔ میں اس کے آنسو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ پھر خیال آیا کہ فلم چونکہ ایک موثر ٹریجیڈی تھی اس لئے ممکن ہے ویلن اسے دیکھ کر رو دیا ہو۔ اس لئے میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا تم اس لئے رو رہے ہو کہ فلم بہت ٹریجک ہے۔؟"

ویلن بولا - "نہیں - میں تو اس لیئے رو رہا ہوں کہ
آج ان تین گھنٹوں میں جب تک میں ہال میں بیٹھا رہا کسی
ایک آدمی نے مجھے گالی نہیں دی - ! اب اگلی پکچر میں
یہ پروڈیوسر مجھے کیوں لے گا - ؟"

یوں تو سب لوگ ویلن کو پسند کرتے ہیں لیکن جو
سوکھے دبلے پتلے اور کمزور جسم کے ہوتے ہیں - وہ خاص طور پر ویلن
کو پسند کرتے ہیں - یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زندگی میں اگر کسی
کو گالی دیں تو وہ مار مار کر انکی کھال میں بھوسہ بھر دے
اسی لیئے ایسے لوگ ہر روز سینما کا ٹکٹ خرید کر ہال میں
بیٹھ جاتے ہیں - اور ویلن کو دیکھتے ہی اس پر گالیوں
کی بوچھار شروع کر دیتے ہیں - وہ چیختے ہیں - چلاتے ہیں
گھونسہ دکھاتے ہیں - ان کا بس چلے اور پولیس کا ڈر نہ ہو تو
اسکرین بھی پھاڑ دیں - ان سب لوگوں کے لئے ویلن ایک
نعمت ہے کیونکہ وہ ان کے جیون کی ہر گھٹن کا جواب ہے

یہ بھی سچ ہے کہ ویلن کے بغیر فلم ایک منٹ سے زیادہ
نہیں چل سکتی - آپ ذرا سوچیئے کہ فلم میں جب ہیرو
اور ہیروئین کو ایک دوسرے سے محبت ہو جاتی ہے ایسے

موقعے پر اگر ویلن بیچ بیں نہ آئے تو فلم پہلے ہی سین میں ختم ہو جائے۔ اسی لئے تو ویلن کہانی کے بیچ بیچ میں آتا رہتا ہے۔ اور فلم کو آگے چلاتا رہتا ہے۔ ایسے اہم کردار کو فلم میں کسی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔! دراصل ویلن ہی ایک کردار ہے۔ جو ہر موقع پر کھلتا ہے۔ اس لئے ......

کہو۔

ڈسے ویلن ..!

سے ..

"ھ سے ہیروئین یا ہیرو!"

مفصّل دیکھو الف سے ایکٹر یا ایکٹریس.....
ویسے ہیرو یا ہیروئن کا بیان اس فلمی قاعدے
میں اس قدر ہو چکا ہے۔ کہ ان کے متعلق مزید کچھ بتانا
تضیعِ اوقات ہو گا۔!

"نئی سے یا ھو!"

ہر نسل کا ایک نعرہ ہوتا ہے۔
جب ہم جوان تھے ـــــ تو ہماری نسل کا نعرہ تھا
"انقلاب زندہ باد"
جب ۱۹۴۲ء کا زمانہ آیا تو اس وقت کی نئی نسل نے
نعرہ لگایا۔ "Quit India" انگریز ہندوستان
چھوڑ دو۔
جب انگریزوں نے ہندوستان چھوڑ دیا تو ملک آزاد
ہو گیا۔ آزادی کے بعد ایک نئی نسل پیدا ہو گئی ہے اس نئی نسل
کا نعرہ ہے۔
"یاھو!"
روزی نہیں۔ روٹی نہیں۔ انقلاب نہیں۔
تہذیب نہیں۔ زندگی نہیں۔ صرف
"یاھو"

جاز کی دھن پر ناچتے قدموں سے تھرکتی کمر سے ہلتے بازؤں سے گردش کرتی ہوئی آنکھوں سے جسم کے ڈولتے ہوئے ہر انگ سے ماضی، حال اور مستقبل کے ہر تقاضے سے بے نیاز ہوکر اپنا پورا حلق پھاڑ کر چلاؤ۔

یاھُوٗ

یاھو ـــــ فلم انڈسٹری کی نئی نسل کا قومی نعرہ ہے۔!

آخری مشق

باپ حقّہ پی رہا ہے۔ ماں دال بگھار رہی ہے۔ بیٹا
ولایت سے آیا ہے۔ ماں کو ہیٹ مارتا ہے — اس کا
نام ٹریجڈی ہے۔!

ہیرو آیا۔ ولن بھاگا، ہیروئین شرمائی، بندر
نے شادی رچائی، لوگ تالی بجاتے ہیں۔ آسمان سے پھول
گرتے ہیں۔ اس کا نام کامیڈی ہے۔

اشوک کمار ہنستا ہے...... الیاس گھورتا ہے...
راجندر کمار مسکراتا ہے....... دارا سنگھ ڈنڈ پیلتا ہے۔
یہ سوشل کے ہیرو ہیں۔ وہ اسٹنٹ کے گھوڑے ہیں
کہانی روک لافا مارنا....... کہانی روک طوفان لانا
.... کہانی روک گیت گا۔ یہ فلم کے لیکھک ہیں۔ وہ
بنارس کے ٹھگ ہیں۔

ہیرو دیکھ جیبجہ کھیر۔ چالو ہو جا۔ نہیں تو فاقہ کر!

نئی چمیا آئی ـــــ پرانی ہیروئین گھبرائی۔ ہیرو
نے گھیرا۔ شوٹنگ کرتے کرتے ہوگیا سویرا۔
گھپلا کر! .... جھالنسہ دے!! ...... ڈھنڈورا
پیٹ .... سلور جبلی منا۔!!!
ستاروں کو مسکہ لگا۔ کشمیر لے جا۔ تھیلی کھول
ـــــ یاہو بول ـــــ تو ڈائریکٹر ہے ...... وہ ایکٹر ہے
فلم سنسر ہوئی ـــــ فنانسر ضد ویجی بند ہوئی ـــــ
کبڑکی شروع ہوئی۔
باپ گھر میں ہے۔ ہیروئین باغ میں ہے۔ ہیرو
درخت پر ہے ـــــ گانا چل رہا ہے .... پروڈیوسر
گھاس کھا رہا ہے۔
موٹر بھاگی ـــــ گاڑی سے ٹکرائی ـــــ ہیروئین زخمی
ہے ہیرو ڈاکٹر ہے ـــــ محبّت ہوتی ہے ـــــ فلم بنتی
ہے باکس آفس چلتا ہے ـــــ قوم کا بیڑا غرق ہوتا ہے

ـــــ .. ـــــ

"گیدڑ کی تلاش"

(پہلی فلمی حکایت)

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک جنگل میں ایک گیدڑ مر گیا۔ اتفاق
ہے اس جنگل میں وہی ایک گیدڑ تھا۔ اس لئے گیدڑ کے مرنے کا
غم سب کو ہوا لیکن شیر کو بہت زیادہ غم ہوا کیونکہ شیر اور گیدڑ کا ہمیشہ
جنگل میں ساتھ رہتا ہے۔ جدھر جدھر شیر جاتا ہے گیدڑ اس کے پیچھے
پیچھے جاتا ہے کبھی کبھی آگے بھی جاتا ہے۔ اور شکاری کی ٹوہ رکھتا ہے
اور شیر کو آکے بتاتا ہے۔ کیونکہ گیدڑ خود شکار نہیں کر سکتا ہمیشہ
شیر کے شکار سے اپنا حصہ لیتا ہے۔ جب شیر شکار کر لیتا ہے اور
اچھی طرح سے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ تو بچا کھچا گیدڑ کے حوالے
کر دیتا ہے۔ جس سے گیدڑ کا کام چل جاتا ہے۔

اس کے بعد سنتے ہیں کہ گیدڑ شیر کو جنگل کی تمام خبریں جھوٹی
اور سچی سناتا ہے۔ اور مزے مزے کے سکینڈل اور جن جانوروں

سے اس کی دشمنی ہوتی ہے ان کی چغلیاں کھاتا رہتا ہے اور شیر کی
خوش آمد کرکے اور اس کے تلوئے چاٹ کر اپنا مطلب نکلتا رہتا
اسی وجہ سے شیر گیدڑ سے بہت خوش رہتا ہے۔ گیدڑ کو شیر کی ضرورت
ہے۔ اور شیر کو گیدڑ کی۔

چنانچہ جب گیدڑ مر گیا تو شیر بہت پریشان ہوا اس نے
کسی دوسرے گیدڑ کی تلاش میں سارا جنگل چھان مارا لیکن جنگل میں
اسے کوئی گیدڑ نہیں ملا پھر شیر نے اگلے چھ سات دن میں آس پاس
کے بہت سے جنگل دیکھ ڈالے اسے کہیں پر کسی گیدڑ کی صورت
نظر نہیں آئی ــــــ!

ماجرا کیا ہے۔؟ شیر نے پریشان ہو کر جنگل کے سب سے
بوڑھے اور عقلمند لومڑے سے پوچھا۔ جنگل میں کہیں پر کوئی گیدڑ
دکھائی نہیں دیتا۔

عقلمند لومڑے نے دست بستہ عرض کی، حضور جتنے
گیدڑ تھے سب شہروں کو چلے گئے ہیں۔ انہوں نے جنگل چھوڑ کر
شہروں میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔

کیوں۔؟ شیر نے پوچھا۔
آج کل شہر میں گیدڑوں کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے اور

پھر یہ بات یہی ہے کہ فی زمانہ جنگل میں وہی جانور رہ سکتا ہے
جو بے حد جفاکش اور محنتی ہو۔ جو زمانہ کی سرد گرم اٹھا سکتا ہو۔
اور یہاں آپ جانتے ہیں کبھی شکار ملتا ہے کبھی نہیں ملتا ہے کبھی
گیدڑ کیا شیر کو بھی بھوکا رہنا پڑتا ہے۔ اور گیدڑ تو سدا سے
کام چور ہے۔ اس لئے شہر کو بھاگ گیا ہے

شیر یہ تشریح سن کر چپ ہو رہا۔ مگر اس کا دل جنگل میں
گیدڑ کے بغیر نہیں لگتا تھا۔

جب چند دن اور گذر گئے اور کہیں پر سے کسی گیدڑ کی
صورت نہ دکھائی دی تو وہ سیدھا شہر گیا اور وہاں کے ایک
روزنامہ اخبار میں اس نے پہلے صفحہ پر ایک اشتہار یوں دیا۔

"گیدڑ کی ضرورت ہے"

جنگل کے ایک شیر کو گیدڑ کی ضرورت ہے، چالاک، چرب
زبان، تجربہ کار، شکار کی ٹوہ رکھنے والے شیر کا دل بہلانے والے
مزے دار پُرلطف اسکینڈل سنانے والے ایک گیدڑ کی ضرورت ہے

صرف وہی لوگ (گیدڑ) درخواست دیں جنہیں اس کام میں
پانچ سال کا تجربہ ہو۔
منتخب گیدڑ کو ڈبل بھتہ دیا جائیگا۔ اس کی زندگی کا بیمہ
کیا جائے گا، سیکورٹی اور پراویڈنٹ فنڈ کا بھی معقول
انتظام ہے۔
شیر سے انٹرویو کا وقت لنچ کے بعد۔ اڑھائی بجے سے
ساڑھے چھ بجے تک۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد انٹرویو
کے لئے آنا خطرہ سے خالی نہیں۔

انٹرویو کے لئے پانچ آدمی شیر سے ملنے گئے، شیر یہ
دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ ان پانچوں میں کوئی گیدڑ نہ تھا
سبھی الناس تھے۔
گیدڑ کیوں نہیں آئے۔؟ شیر نے پوچھا۔
وہ سب کام پر لگے ہوئے ہیں۔ آدمی نے جواب دیا
تم کیوں آئے۔؟
اس لئے کہ ہم بے کار ہیں۔ دوسرا آدمی سر جھکا کے بولا

شہر میں ہمیں کوئی کام نہیں ملتا ہمارے بال بچے بھوکے مر رہے ہیں
ہمارے جنگل میں تو کوئی بیکار نہیں رہتا۔ شیر بولا۔ پھر
انسانوں کی بستی میں لوگ بیکار کیوں رہتے ہیں؟ انسان تو اشرف
المخلوقات ہیں۔

اس سوال کا کسی آدمی نے جواب نہیں دیا۔ سب سر جھکائے
ہوئے خاموش کھڑے رہے۔

انٹرویو کمیٹی میں شیر کے علاوہ عقلمند اور چالاک
ریچھ بھی شامل تھا۔

ریچھ بولا۔ ان انسانوں کو واپس شہر میں بھیج دو۔!
وہ لوگ چلانے لگے گڑگڑانے لگے ہمیں شہر میں واپس
مت بھیجو ہمیں جنگل میں کام دیدو ہمیں گیدڑ کا کام دیدو ہم خوشی
سے کریں گے۔

لومڑا بولا۔ کام تم کو دیا جائیگا۔ مگر ایک شرط پر۔ تم میں
سے جو شخص بھی گیدڑ کا کام کرنے کا اہل ثابت نہ ہوا اسے شیر
کھا جائے گا۔

ہمیں منظور ہے، مگر کام ملنا چاہیئے۔ آدمی بولے
پہلے دن جس آدمی کو گیدڑ کی ڈیوٹی سونپی گئی وہ سب سے

لائق تھا۔ اس کے پاس ایم اے کی ڈگری تھی شیر نے گھڑی دیکھ کر اس سے کہا۔

اس وقت دس بجے ہیں۔ ایک بجے تک تم جنگل میں گھوم اور دیکھو، میرے لئے خوراک کا بندوبست کہاں ہو سکتا ہے۔ سراغ لے کر آؤ لنچ سے پہلے۔

وہ آدمی حکم پاکر اسی وقت شیر کے لئے خوراک کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ گیارہ بج گئے۔ بارہ بج گئے۔ ایک بج گیا۔ دو بج گئے۔ تین بج گئے۔ مگر وہ آدمی نہ آیا۔ شیر بھوکا کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا کوئی پانچ بجے کے قریب وہ آدمی بھاگا بھاگا آیا اور اس نے شیر سے کہا۔

میں نے سراغ لگالیا ہے۔ بہت عمدہ خوراک کا بندوبست ہو گیا ہے۔ چلئے۔!

شیر تو کب سے بھوکا تھا، اسی وقت اس آدمی کے ساتھ چل پڑا، چلتے چلتے جنگل کے دشوار گذار راستوں سے گذرتے ہوئے وہ آدمی شیر کو درختوں سے گھری ہوئی ایک چھوٹی سی وادی میں لے گیا۔ جہاں ہری ہری لامبی گھاس لہلہا رہی تھی۔

کہاں ہے میرا شکار ؟ شیر نے اس آدمی سے پوچھا۔

یہ کیا ہے۔! اس آدمی نے ہری گھاس کی طرف اشارہ کیا۔ بے وقوف۔ شیر گرجا تم نے کیا گھاس کھا کے ایم لیے پاس کیا ہے۔

گھاس ——— وہ آدمی بولا۔ میں خالص ویجیٹرین ہوں اور میں نے علم نباتات (باٹنی) میں ایم۔ اے کیا ہے۔

شیر کی دم غیض و غضب سے اونچی ہو گئی۔ احمق تمہیں یہ تک معلوم نہیں ہے کہ شیر گھاس نہیں کھاتا ہے۔ گوشت کھاتا ہے:

اس کے بعد شیر اس آدمی پر جھپٹا اور اسے کھا گیا۔

دوسرے دن

دوسرے آدمی کی باری آئی جو گریجویٹ تھا اور بے کاری سے پہلے اس نے ڈیڑھ سال تک ایسی فیکٹری میں کام کیا تھا جہاں پھلوں کے مربے بنائے جاتے تھے۔ اس گریجویٹ نے بھی تلاش بسیار کے بعد جنگلی سیبوں کے دو پیڑ دریافت کر لئے اور شیر کو سیب کھلانے لے گیا۔ اور شیر نے جنگلی سیبوں کو کھانے کے بجائے اس آدمی کو کھا لیا۔

تیسرا آدمی ۔!

میٹریکولیٹ تھا اور پہلے دونوں آدمیوں سے ہوشیار تھا۔
وہ بہت جلد شیر کے لئے شکار ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا
جنگل کی ایک گھنی گھاٹی پر اس نے ہرنوں کا ایک گلہ چرتے
دیکھا اور فوراً بھاگا بھاگا آیا اور شیر کو اطلاع کی شیر نے گھاٹی
پر جاکر ہرن کا شکار کرلیا اور اطمینان سے بیٹھ کر کھانے لگا۔خوب
پیٹ بھر کر کھانے کے بعد شیر ایک طرف کو لیٹ گیا۔اور بولا۔
لو ـــــ اب تم باقی جو بچا ہے اسے کھالو۔
تیسرے آدمی نے انکار کردیا۔ میں برہمن ہوں میں
کسی کا جھوٹا نہیں کھاتا۔
اس پر شیر نے تیسرے آدمی کو بھی ختم کردیا۔

اب چوتھے کی باری آئی ۔!

چوتھا آدمی۔!

اس نے پہلے تین آدمیوں کی ناکامی سے سبق سیکھا۔ اس نے نہ صرف شیر کے لئے شکار کا سراغ لگایا بلکہ خود شیر کا جھوٹا گوشت بھی کھایا، حالانکہ کچا تھا مگر اس نے بصد شکر کھالیا پھر شیر نے اطمینان سے پاؤں پسار کے کہا۔

اب میرے پنجے دابو۔

چوتھے آدمی نے بڑی محنت سے شیر کے پنجے دابنے شروع کئے۔ شیر نے ایک ڈکار لی۔ پھر بولا۔

تم نے شکار کرتے وقت اس چیتے کی بیوی کو دیکھا تھا جو ایک جھاڑی کے قریب کھڑی ہوئی مجھے گھور رہی تھی۔ جہاں میں جاتا ہوں وہیں پہونچ جاتی ہے اور عجیب عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہے۔ میرا خیال ہے۔ مجھ پر عاشق ہے۔

کسی دوسرے کی بیوی کی طرف نگاہ اٹھانا گناہ ہے چوتھا آدمی بولا۔ پھر میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ چیتی آپ پر نہیں اپنے خاوند پر عاشق ہے۔ بڑی محبت سے اس کے

کھال چاٹ رہی تھی اور جب آپ کے قریب سے گزرے تو اس نے آپ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔

تم جھوٹ بولتے ہو۔ شیر غصّہ سے گرجا وہ چیتی مجھ پر عاشق ہے۔!

عاشق نہیں ہے ــــــــــ چوتھے آدمی نے اصرار کیا

نیتجہ میں شیر اسے بھی کھا گیا۔

اب پانچویں کی باری آئی۔!

وہ آدمی بہت دبلا تھا اور ایک عرصہ سے فاقہ زدہ معلوم ہوتا تھا۔ بڑے تیز تیز قدموں سے سارے جنگل میں گھوم آیا مگر اسے اپنی مرضی کا کوئی شکار جنگل میں نہیں ملا۔ تو وہ شیر کو لے کر ایک جنگل کے کنارے ایک جھونپڑے میں لے گیا جہاں بہت سی بھیڑیں بکریاں بندھی تھیں۔ شیر نے چار، پانچ بکریوں کا شکار کیا اور جنگل میں لاکر اس نے دو بکرے بڑے مزے سے کھائے اور باقی تین بکریوں کی لاشوں کو اس نے

رات کے کھانے کے لئے رکھ دیا۔ شیر اس آدمی سے بہت خوش ہوا۔

رات کے کھانے پر شیر نے دیکھا کہ اس آدمی نے کچھ کہے سنے بغیر اس کے پاؤں دابنے شروع کر دیئے ہیں۔

شیر نے پوچھا — ایسے لذیذ شکار کا پتہ تم نے کیسے لگایا۔

سرکار — پانچواں آدمی ہاتھ جوڑ کے بولا۔ میں جب جنگل کو آ رہا تھا تو راستہ میں ایک رات میں نے اس چرواہے کے جھونپڑے میں گزاری تھی۔ اور چرواہے نے مجھے رات کو بکری کا دودھ اور مکی کی روٹی پیش کی تھی۔ اور ازراہ مہمان نوازی میرے پاؤں بھی دابے تھے۔

بہت خوب۔ شیر نے تعریفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا — تم احسان فراموش ہو۔ اس لئے بہت اچھے گیدڑ ثابت ہو سکتے ہو۔

حضور کی عنائیت ہے۔ وہ آدمی پاؤں دابتے ہوئے بولا۔ ورنہ میں کس لائق ہوں۔ آپ ایسا بہادر اور خوبصورت شیر میں نے آج تک نہیں دیکھا، سچ کہتا ہوں بڑے بڑے

جنگل گھوما ہوں مگر وہ وجاہت وقار اور دبدبہ جو آپ کی شخصیت میں ہے۔ میں نے کسی دوسرے شیر میں نہیں دیکھا مردانہ حسن تو آپ پر ختم ہے۔

میں خوبصورت ہوں۔؟ شیر نے پوچھا

مجھ سے کیا پوچھتے ہیں آپ —— ذرا آپ نے اس چیتی کو دیکھا ہو گا جو آپ کو نمسکار کرتے وقت مسحور نگاہوں سے ... دیکھ رہی تھی اور ایک چیتی پر کیا موقوف ہے۔ درخت پر بسیرا کرنے والی ایک حسین و جمیل بندریا بھی پیڑ کی شاخ سے لپٹی لپٹی آپ کو دیکھ کر ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر رہی تھی اس ناچیز و حقیر کا خیال تو یہ ہے کہ اس جنگل میں جتنی عورتیں ہیں سب آپ پر عاشق ہیں۔

شیر پاپوش آدمی کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا بولا۔ واقعی تم بہت اچھے گیدڑ ثابت ہو گئے —— بہت عمدہ آج سے میں تم کو اپنی ملازمت میں لیتا ہوں۔ اور تمہاری جان و مال کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس آدمی نے شیر کا پاؤں چوم لیا۔

شیر بولا۔ ایک بات بتاؤ تم اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔؟

اس آدمی نے سر جھکا کے کہا۔

حضور آپ کی ملازمت میں آنے سے پہلے میں ایک فلمی ہیرو کا چمچہ تھا۔

"جانی واکر اور شیر"

(دوسری فلمی حکایت)

راوی روایت کرتا ہے کہ ایکدفعہ مشہور کامیڈین جانی واکر کو کسی فلم کی آوٹ ڈور شوٹنگ کے لئے بھوپال کے جنگلوں میں جانا پڑا یہ ایک رنگین تاریخی تصویر تھی جس میں مشہور ہیرو وشمنیت کمار لیڈنگ رول کر رہا تھا اور اس کے بالمقابل مس کھر چنا ہیروئن کا کام کر رہی تھی، جانی واکر نے پروڈیوسر کو بتایا تھا کہ شکار کے مناظر شوٹ کرنے کے لئے بھوپال کے جنگل بہترین ثابت ہونگے۔

چنانچہ ایک دن پروڈیوسر اپنی بیوی ہیرو اس کی تین معشوقائیں ہیروئین اور اسکی دو آئیں (ایک سگی دوسری سوتیلی) جانی واکر اور اس کی چار بندوقوں کو لے کر مع عملے قبیلے کے بمبئی سے روانہ ہوا۔ تین دن بھوپال میں رہنے کے بعد اور زادِ نوش کا مناسب انتظام کرنے کے بعد یہ قافلہ کھید روا کے جنگلوں

کی طرف روانہ ہوا جہاں آوٹ ڈور شوٹنگ ہونے والی تھی۔

پہلا پڑاؤ کھیدر رواہ کے ڈاک بنگلہ۔ اور ڈاک بنگلہ کے باہر خیمے لگا کر کیا گیا۔ کھیدر رواہ کے ڈاک بنگلہ سے کھیدر رواہ کا جنگل صرف ڈیڑھ میل دور ہے۔ دشوار گذار پہاڑی علاقہ ہے اور ڈاکوؤں اور شیروں سے بھرپور۔ شکار کے لیے آئیڈیل علاقہ ہے۔ اور اسی آوٹ ڈور شوٹنگ کے لئے بھی جس میں وجنیت کمار مشہور ہیرو کو یکے بعد دیگرے تین شیروں کا شکار کرتے ہوئے دکھایا جانے والا تھا کہ اس کی بہادری کا سکہ جنتا پر جم سکے۔

پروڈیوسر نے ہیرو کی اس بے مثل اور شاندار بہادری کی شوٹنگ کرنے کے لئے ہر طرح کا انتظام کر رکھا تھا۔ تین بیٹیاں شراب کی تھیں۔ دو شکاری بھوپال کے تھے چھ لوڑے دار بندوقیں تھیں اور بھالے سیدو کمان جو پرانے زمانے میں شکار میں استعمال کئے جاتے تھے ـــــ وہ سب تھے، اس کے علاوہ اس نے بھوپال سے دو ڈاکٹر بھی مرہم پٹی کے لئے تھے، اس کے علاوہ تین شیروں کی کھالوں کو لے کر ان میں بھوسہ بھروالیا تھا اور اب یہ شیر بالکل اصلی لگ رہے تھے یہی وہ شیر تھے جن کا شکار ہیرو کو کرنا تھا۔ مگر جنگل میں یعنی شیر نقلی ہونگے مگر جنگل اصلی ہوگا۔

دوسرے دن عین آوٹ ڈور شوٹنگ کے موقعہ پر ہیرو نے جنگل میں جانے سے انکار کر دیا۔ بولا۔

"مجھے ان شیروں سے ڈر لگتا ہے۔"

"مگر یہ شیر تو نقلی ہیں۔ اور ان میں بھوسہ بھرا ہوا ہے۔"

جانی واکر نے ہیرو کو سمجھایا ــــــ ان شیروں کو نشکار کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

کیا معلوم بھئی ــــــ ہیرو بولا۔ آخر شیر کی کھال ہے کس وقت غصّہ میں آجائے۔؟

احمق مت بنو۔ جانی واکر بولا۔ سیدھے سیدھے شوٹنگ کو چلو تمہاری حفاظت کا ہر طرح سے بندوبست کر دیا گیا ہے

ہیرو جانے پر راضی ہوا تو گھوڑے دیکھ کر بولا ــــــ میں ان گھوڑوں پر نہیں چڑھ سکتا۔ یہ تو بالکل اصلی گھوڑے معلوم ہوتے ہیں۔

ہاں۔ اصلی تو ہیں۔ جانی واکر بولا۔

کہیں میں گر گیا تو۔؟ ہیرو بولا۔ وہ بے چارے شیام کا قصہ تو تمہیں معلوم ہے۔ جو شوٹنگ کے دوران میں گھوڑے سے گر کر مر گیا تھا ــــــ ناں بھئی میں اصلی گھوڑے پر نہیں بیٹھونگا۔

پروڈیوسر نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اب میں نقلی گھوڑے کہاں سے لاؤں۔ جن کی کھال میں شیر کی کھال کی طرح بھوسہ بھر دیا گیا ہو اگر کسی طرح سے بہم بھی پہونچاؤں تو ایسا گھوڑا چلے گا نہیں۔

جانی واکر بولا۔ ایک کام تم کر سکتے ہو اپنی کھال میں بھوسہ بھر لو اور ہیرو کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر جنگل میں لے چلو۔

مذاق مت کرو جانی بھائی ـــــ وہ میرا فلم فنالنسر پہلے ہی سے میری کھال میں بہت بھوسہ بھر چکا ہے۔

آخر یہ طے کیا گیا کہ ہیرو کی جگہ ایک ڈبل کو استعمال کیا جائے یعنی ایک ایسا آدمی جس کی شکل وصورت ہیرو سے ملتی جلتی ہو اور جو اصلی گھوڑے پر چڑھنے سے انکار نہ کرے مگر کیمپ میں ایسا کوئی آدمی تھا نہ بھوپال میں۔ بڑی مشکل سے بمبئی سے ایک ڈبل منگایا گیا اور آوٹ ڈور شوٹنگ شروع کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ مگر لب ایک اور مشکل پیش آئی۔ ہیرو ڈاک بنگلہ میں اکیلا رہنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اسکی حفاظت کے لئے دو شکاری ڈاک بنگلے میں چھوڑ دیئے گئے۔ اور پروڈیوسر نے ہیرو کے ڈبل کو لیجا کر کھیدروہ کے جنگل میں شوٹنگ شروع کی اور تین دن کی زبردست شوٹنگ کے دوران میں تینوں بھوسہ بھرے ہوئے شیر شکار کر لئے۔

چوتھے دن ایک کامیڈی سین تھا جس میں یہ دکھایا
گیا تھا کہ ہیرو کے دربار کے مسخرے (جانی واکر کو یہ پارٹ کرنا تھا)
کی اچانک اسی شکار کے دوران میں ایک شیر سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی
ہے۔ اور اس وقت جانی واکر بالکل تنہا ہے اور شیر بالکل سر پہ آن
پہنچا ہے اس وقت جانی واکر اپنی اداکاری کے کمال دکھاتا ہے۔ اور
شیر کو اتنا ہنستا تا ہے کہ شیر ہنستے ہنستے مر جاتا ہے۔

اس سین میں جانی واکر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس درجہ
مانے ہنے کمالات کا فن دکھائے گا کہ فلم دیکھنے والے اگر ہنستے ہنستے مر نہ گئے
نہیں تو پیٹ پکڑ کر لوٹ پوٹ ضرور ہو جائیں گے۔

سین شروع ہوا جنگل میں بھوسہ بھرا ہوا شیر رکھ دیا گیا
اس کا منہ اسطرح کھلا تھا جیسے شیر واقعی ہنس رہا ہو۔ جانی واکر نے
اپنے کمالات دکھانے شروع کئے۔ کیمرہ چلنے لگا۔

یکایک ایک زور کی ڈہار سنائی دی اور دوسرے لمحہ
میں لوگوں نے دیکھا کہ گھنے جنگل کے اندر سے واقعی ایک شیر
سچ مچ کا شیر دہاڑتا ہوا جانی واکر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی کیمرہ مین کیمرہ چھوڑ کر بھاگا سب
لوگ ادھر ادھر تتر بتر ہو گئے اور درختوں پہ جا چڑھے، صرف جانی واکر

اکیلا رہ گیا کیوں کہ اسکی پیٹھ اصلی شیر کی طرف تھی۔ اور وہ نقلی شیر کو خوش کرکے ہنسا رہا تھا۔

جب جانی واکر مڑا تو اس نے اپنے سامنے اصلی شیر کو منہ کھولے پنجے پھیلائے غراتے ہوئے دیکھا۔

اب ہنسا و مجھے ___ اصلی شیر نے جانی واکر سے کہا۔

جانی واکر کے کاٹو تو خون نہیں، یہ حال تھا اس کا۔

ہاں، ہاں........ ہنساؤ اصلی شیر بولا۔ میں تمہیں ہنسانے کے لئے دو منٹ دیتا ہوں۔ اگر تم مجھے ہنسا سکے تو جان بخش دونگا۔ ورنہ کھا جاؤں گا۔!

جانی واکر چپ چاپ دم بخود کھڑا رہا، ایک منٹ گزر گیا دوسرا منٹ گزر گیا۔

شیر بولا ۔ "مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ جانی واکر۔"

درختوں پر چڑھے سب لوگ دم سادھے جانی واکر اور شیر کو دیکھ رہے تھے۔

جانی واکر نے کہا۔ مجھے کھانے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔"

سناؤ، شیر نے وہیں سے گرج کر کہا۔

وہ بات کان میں بتانے کی ہے ۔ جانی واکر نے شیر سے کہا ۔
شیر جانی واکر کے قریب آیا ۔ جانی واکر نے جھک کر شیر کے کان میں کچھ کہا ۔ سنتے ہی شیر نے منہ پھیر لیا اور ڈوڑتا ہوا جنگل کے اندر غائب ہو گیا ۔

تھوڑی دیر تک سناٹا رہا ۔ پھر جانی واکر نے درخت پر چڑھے آدمیوں سے کہا ۔ اتر آؤ نیچے اتر آؤ ۔ شیر اب یہاں نہیں آئے گا ۔

ایک ایک آہستہ آہستہ کر کے سب لوگ درخت سے نیچے اتر آئے ۔ سب لوگ جانی واکر کے گرد اکٹھا ہو گئے ۔ پروڈیوسر نے اس سے کہا ۔

آخر تم نے شیر کے کان میں ایسی کون سی بات کہی تھی جسے سنتے ہی وہ دم دبا کر بھاگ گیا ۔

جانی واکر مسکرا کر بولا ــــــ میں نے صرف اتنا کہا تھا میاں شیر خان میں جانی واکر نہیں ہوں ۔ میں اصل میں ایک انکم ٹیکس آفیسر ہوں ۔

ہاتھی

اور

ٹن ٹن

(تیسری فلمی حکایت)

ہاتھی اور ٹن ٹن!

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ ایک جنگل کا راجہ ہاتھی تھا کیونکہ اس جنگل میں ہاتھیوں کا گلہ بہت بڑا اور مضبوط تھا اور اس جنگل میں کوئی شیر نہیں تھا۔ اور جنگل میں جتنے بھیڑیئے، گیدڑ، اور ریچھ تھے سب ہاتھیوں سے ڈرتے تھے — ہاتھیوں کے راجہ کا نام من من تھا۔ وہ بہت بڑا قوی ہیکل بدمست ہاتھی تھا سب ہی اسکی سرداری قبول کرتے تھے اور جنگل کا کوئی خونخوار سے خونخوار جانور اس کے سامنے چوں نہیں کر سکتا تھا۔

من من اپنے ہاتھیوں کے گلے کو لے کر جدھر چاہے نکل جاتا۔ ہری ہری دوب کو چرتا تھا۔ بانس کی نازک ڈالیوں کو توڑ کر چباتا۔ انکی میٹھی میٹھی مزے دار جڑیں کھود کھود کر کھاتا۔

جھیل سارے جنگل کا راجہ تھا اور اسے کوئی روکنے والا نہ تھا۔

ہاتھیوں کے گلے میں کی بہت سی ہتھنیاں اس پر فدا تھیں مگر من من ابھی تک کنوارہ تھا۔ اس نے ابھی تک کسی ہتھنی کو دل نہیں دیا تھا۔ ہتھنیاں اسے ہزاروں ناز و عشوے دکھاتیں مگر من من کا دل کسی ہتھنی پر نہ آیا۔

ان ہتھنیوں میں ایک ہتھنی جو کہ سب سے سندر اور دلکش تھی اسکی آنکھیں چھوٹی چھوٹی بے حد چمکیلی ہوئی۔ سونڈ مخروطی اور معشوقانہ وہ چھیل چھبیلی گج گامنی جب کولہے مٹکاتے ہوئے چلتی تھی تو سیکڑوں ہاتھیوں کے دل ڈولنے لگتے تھے۔ مگر یہ ہتھنی کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ کیونکہ یہ ہتھنی اپنے سردار پر عاشق تھی اس ہتھنی کا نام سن گن تھا۔ وہ ہر وقت یہی کوشش کرتی کہ اپنے سردار کے پیچھے پیچھے چلے۔ من من کو سن گن پر غصہ آتا تھا تو سونڈ اٹھا کر اسے پیٹ ڈالتا تھا۔ مگر مار کھا کر بھی سن گن کچھ نہ کہتی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہوئی من من کے پیچھے پیچھے چلنے لگتی۔

دوسرے ہاتھیوں کو سن گن کے عشق کو دیکھ کر بہت رحم آیا۔ انہوں نے پنچایت کی۔ پنچایت نے فیصلہ کیا کہ سن گن ہر لحاظ سے سردار کی بیوی بننے کے لائق ہے اور یہ کہ راجہ کا اتنی دیر

تک کنوارہ رہنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ چنانچہ طے پایا کہ اگلے ہفتے گنیش چودش کے متبرک تیوہار من من اور سن گن کی شادی کر دی جائے۔ فیصلہ چونکہ پنچایت کا تھا اور ہاتھی پنچایت کو بہت مانتے ہیں اس لئے من من نے سر جھکا کر پنچایت کے فیصلے کو منظور کر لیا۔

اسی جنگل کے کنارے دیونگر نام کا ایک چھوٹا سا قصبہ آباد تھا۔

گنیش چودش کے پوتر تیوہار کے موقع پر اس قصبے کے لوگوں نے ایک ہفتے کے لئے ایک ٹورنگ سینما کو بلایا۔ قصبے سے باہر، جنگل کے کنارے چوپال میں دو دو آنے کا ٹکٹ لے کر قصبہ کے مرد، عورتیں، بچے بالے بوڑھے سب ہی جمع ہوئے اور ایک بڑے اونچے پردے پر چلتی پھرتی تصویروں کو جو بولتی اور گاتی تھیں دیکھ کر خوش ہوئے۔

ہوتے ہوتے ہاتھیوں کو بھی اس کی خبر ملی۔ من من چونکہ اپنی من مانی کرنے والا تھا، دوسرے ہاتھیوں کی صلاح نہ مان کر بھی سینما دیکھنے چلا گیا۔ اور جب وہاں سے لوٹا تو اس کے آنکھوں کی چمک غائب تھی۔ اسکے چھاج ایسے کان بڑی اداسی سے لٹکے ہوئے تھے

اور وہ رہ رہ کر ٹھنڈی سانسیں بھرتا تھا۔

"کیا ہوا ——؟ ایک ہاتھی نے من من سے پوچھا۔

"مجھے عشق ہو گیا ہے۔!"

"کس سے —؟"

"ٹن ٹن سے۔! من من نے کہا۔

"ٹن ٹن کون ہے۔؟"

"ایک فلم ایکٹرس ہے۔!"

"کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔؟" سن گن نے پوچھا

"ہمارے گلے میں کوئی ایسی ہتھنی نہیں ہے جو خوبصورتی میں ٹن ٹن کا مقابلہ کر سکے۔" من من ایک سرد آہ کھینچ کر بولا میں تو دیوانہ ہو چلا ہوں۔ اس کے عشق میں —— کیا نازک کمر ہے اس کی کیا لوچ ہے اس کے بدن میں۔ کس ادا سے وہ جھولتی ہوئی چلتی ہے کیا چنگھاڑ ہے اس آواز میں کہ شیر بھی سنے تو اس کا سینہ دہل جائے —— دیکھو۔ میں تمہارا راجہ۔ تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں۔ اگر میں شادی کروں گا تو ٹن ٹن سے نہیں تو ساری عمر کنوارہ رہوں گا۔!"

سن گن نے یہ سن کر اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ سونڈ راجہ

کے قدموں میں ڈال دی۔ مگر راجہ کا دل کسی طرح نہ پسیجا سن گن
کی شادی بلنوی کر دی گئی۔

پورے سات دن من من راجہ سینما دیکھنے جاتا رہا۔ اور
جوں جوں وہ ٹن ٹن کو دیکھتا جاتا تھا۔ توں توں اس پر زیادہ سے
زیادہ عاشق ہوتا جاتا تھا۔ ٹن ٹن کے عشق میں بدحال ہو کر اسنے
کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ اب وہ دن رات آہیں بھرتا تھا اور
اشعار پڑھتا تھا۔!

اس کی حالت دیکھ کر ہاتھیوں نے پنچایت بلائی اور طے
کیا کہ سن گن کے بجائے ٹن ٹن کی شادی راجہ سے کر دی جائے۔
راجہ من من پنچایت کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوا۔!

پنچایت نے طے کیا کہ اب کے وہ سب مل کر راجہ من من
کے ساتھ سینما دیکھنے جائیں گے اور ٹن ٹن کو اٹھا لائیں گے اور
جنگل میں لا کر من من سے اس کی شادی رچا دیں گے۔!

شادی کا سب بندوبست ٹھیک کر کے ہاتھیوں کا گلہ
سینما دیکھنے روانہ ہوا۔ انہوں نے دیونگر کی چوپال کو چاروں
طرف سے گھیر لیا اور جونہی سینما کے پردے پر ٹن ٹن دکھائی
دی وہ چیختے چنگھاڑتے آگے بڑھے۔ لوگ ہاتھیوں کو آتے دیکھ کر

بھاگ گئے ـــــ ہاتھیوں نے سونڈا ٹھاکر پردے کو چاروں طرف سے پکڑ کر بکڑی کے کھمبوں سے اکھیڑ لیا اور اسے لے کر بھاگتے ہوئے جنگل میں گھس گئے۔

جنگل میں جاکر دیکھا تو پردہ خالی تھا اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوا۔ ٹن ٹن غائب تھی۔ خالی ایک پردہ تھا۔

ایک بڈھا ہاتھی بولا۔ "دیکھا بیٹا من من ـــــ یہ ہے فلمی عشق کا انجام۔ فلمی عشق محض ہوائی ہوتا ہے آخر میں صرف ایک پردہ رہ جاتا ہے۔!

بہتر یہی ہے۔" دوسرا بڈھا ہاتھی بولا ـــــ کہ تو اس عشق سے توبہ کرلے اور سیدھے سیدھے سن گن سے شادی کرلے۔

اب اس کے دو بچے ہیں۔ وہ اپنے جنگل کا راجہ ہے اور بڑے مزے سے اپنے جنگل میں سرداری کرتا ہے۔

"لیکھک
اور
کمبل"

(چوتھی فلمی حکایت)

لیکھک اور کمبل

ایک دفعہ کا ذکر ہے بمبئی کی ایک مشہور فلم کمپنی ،
الیہ کے اونچے جنگلوں میں آوٹ ڈور شوٹنگ کے لئے گئی۔ وہاں
ی لیکھک کا کمبل کھو گیا ــــــ رات بھر فلمی لیکھک اپنے خیمے
، سردی سے ٹھٹھرتا رہا۔ اور کمبل چرانے والے کو دل ہی دل
ں گالیاں دیتا رہا ــــــ کبھی تو چور کو گالیاں دیتا ــــــ کبھی فلم
روڈیوسر کو جس نے فلم کی کہانی ہالی وڈ کی مشہور فلم سے چرائی
ی اور اب اسے لیکھک کے نام منڈھ رہا تھا۔ کبھی ہیرو کو جو
ھک کی جگہ خود ڈائیلاگ لکھنے پر مصر تھا، کبھی ہیروئین اور کبھی
مڈین کو کوستا ــــــ جو اس کے خوبصورت فلمی مناظر کا تیاپانچہ کرنے

پر تلے ہوئے تھے ـــــ حد تو یہ ہے کہ ایک فلم کا ایکسٹرا تک اپنے آپ کو کہانی کا ماہر سمجھتا ہے ۔ اور فلمی کہانی کے پھٹے میں اپنی ٹانگ اڑانے کی سوچتا ہے ـــــ غرض کہ جو ہے فلمی لیکھک کے کندھے پر سوار ہے ۔

رات بھر اسی طرح فلمی لیکھک ـــ دانت کٹکٹاتا رہا ـــ سردی سے ٹھٹھرتا رہا ۔ اور سوچتا رہا ـــ کیا ترکیب کرے جس سے کبھی اسے اپنے ڈھنگ کی کہانی لکھنے کا موقع مل سکے ـــ اگر کوئی فلم کمپنی اسے اپنی مرضی کے مطابق کہانی لکھنے دے تو وہ دنیا کو بتا سکتا ہے کہ اکیلے ...... ستیہ جیت رائے یا برگ مین ہی فلم دنیا کے Genious نہیں ہیں ۔ وہ بھی کچھ ہے ۔ بلکہ بہت کچھ ہے ۔ اور اگر سچ پوچھو تو وہی سب کچھ ہے ـــ مگر بیچارے کو موقع نہیں ملتا ۔ ساری رات اس نے کمبل اور اپنے سنہرے خوابوں کی یاد میں گذاری اور جب سویرا ہوا تو شوٹنگ کا بھونپو بجا ۔ لیکھک اپنی قمیص کے پھٹے کالر اٹھائے ایک ڈگلا نما ڈھیلا ڈھالا کوٹ پہنے خیمے سے باہر نکلا ـــ اور اس تیز پہاڑی نالے کے کنارے چلا گیا ۔ جہاں آدھے دور شوٹنگ ہو رہی تھی ۔ !

شوٹنگ کے دوران میں اس نے ندی کے تیز بہتے
ہوئے پانیوں میں ایک بھورے سنہرے رنگ کے کمبل کو تیرتے
دیکھا ——— ہیرو کو وہ کمبل بہت پسند آیا - بولا -
"کتنا خوبصورت کمبل ہے - اگر کسی طرح سے مجھے مل
جاتا...... !"

حالانکہ سردی بہت تیز تھی اور لیکھک جانتا تھا کہ پہاڑی
ندی کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہوگا ——— پھر بھی وہ ہیرو
کو خوش کرنے کے لئے - اور کمبل حاصل کرنے کے لئے ندی میں
چھلانگ لگا گیا ——— اسے تیرنا ضرور آتا تھا ——— مگر ایک تو ندی کا
پانی بہت ٹھنڈا [illegible] بہاؤ بہت تیز تھا ——— اس لئے
اس نے [illegible] کمبل کے قریب پہنچ گیا

میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں ــــــ مگر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔!"

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ کمبل دراصل کمبل نہیں تھا۔ ایک پہاڑی ریچھ تھا جو ندی میں نہا رہا تھا ــــــ ریچھ نے فلمی لیکھک کو پکڑ لیا ــــــ اور جوں جوں فلمی لیکھک اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتا ریچھ اتنی ہی مضبوطی سے جکڑ لیتا ــــــ آخر تھک ہار کر فلمی لیکھک نے اپنے آپ کو ریچھ کے حوالے کر دیا۔ اور ریچھ تیرتا ہوا ندی کو پار کر کے ــــ فلمی لیکھک کو اٹھائے ہوئے۔ پہاڑی کے دوسری طرف جنگل میں غائب ہو گیا۔

ریچھ نے لیکھک کو ا ... بچھے ہوئے
گھاس پھوس پر پھینک د ... کیا

ھا ۔ دوسرے

ے لئی ڈبکیاں کھائیں ـــــ آخر و

اور اس نے بڑی مضبوطی سے کمبل کو پکڑ لیا۔

کمبل کو پکڑنے کے بعد کنارے پر کھڑے لوگوں نے دیکھا کہ لیکھک پہلے سے کبھی زیادہ ڈبکیاں کھا رہا ہے ـــــ سبھوں نے کنارے سے چلّا کے کہا۔

”کمبل چھوڑ دو۔ اور کنارے پر آجاؤ۔“

لیکھک منجدھار میں ڈبکیاں کھاتے ہوئے بولا.......

ے بھٹ کے اندر

دیا ـــــ اس نے لیکھک ـــ

پے پیرے آتار دے ۔ لیکھک نے ڈرتے ڈرتے اپنے
کپڑے آتارنے ۔ یہ سوچتے ہوئے کہ جانے اب ریچھ اس
سے کیا سلوک کریگا ۔ ......؟"

ریچھ اس کے کپڑے اٹھا کر بھٹ کے باہر چلا گیا ۔ اور
انہیں دھوپ میں سکھانے لگا ـــ کچھ عرصہ کے بعد جب
ریچھ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بہت سے جنگلی پھل تھے ـــ

لیکھک کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے پیٹ بھر کے جنگلی پھل کھائے ــــ پھر ریچھ نے اس کے کپڑے سکھا کر اسے واپس کئے اور اس سے کہا۔

"فوراً کپڑے پہن لو۔ اور میرے ساتھ باہر چلو۔!"

لیکھک کپڑے پہن کر ریچھ کے ساتھ روانہ ہوا ــــ چلتے چلتے دونوں شیر کے دربار میں پہنچ گئے۔

لیکھک نے جھک کر سات بار سلام کیا۔ شیر نے دم ہلا کر اس کے سلام کا جواب دیا بولا۔

"اے فلمی لیکھک تجھے معلوم ہے۔ ہم نے تجھے کیوں یاد کیا ہے۔؟"

"ظلِ سبحانی۔" فلمی لیکھک بولا۔ "یہ خاک سار اپنی ناواقفیت کے اظہار پر مجبور ہے۔ بادشاہ سلامت ارشاد فرماویں۔ تو کچھ پتہ چلے۔!"

"ہم ایک فلم بنانا چاہتے ہیں ــــ جانوروں کا مغل اعظم" ٹائیگر غرا کر بولا۔

"اس دھانسو فلم کو میں ڈائریکٹ کروں گا۔" ریچھ نے اپنے سر کے بال جھلاتے ہوئے کہا۔

لومڑا جنگل کے جانوروں میں سب سے چالاک ہوتا ہے
بولا۔

"میں اس تصویر کا پروڈیوسر رہوں گا۔ آجکل فلم کا زمانہ ہے ـــــ ساری دنیا کے انسان فلم دیکھتے ہیں۔ تو جانور کیوں پیچھے رہیں ـــــ؟ ہم جنگلی جانوروں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم بھی اپنی فلم کمپنی کھڑی کریں گے اور دُھرا دُھر پکچر بنائیں گے جو ہمالیہ کے سارے جنگلوں میں دکھائی جائیں گی۔ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے۔ بس ایک فلمی لیکھک کی کمی تھی۔"

لیکھک نے قدمبوسی کی اور بولا۔ "میں حاضر ہوں۔ بادشاہ سلامت مگر فلم کے کام میں مختلف طرح کے ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سامان کے بغیر فلم نہیں بن سکتی۔"

"ہم سب جانتے ہیں۔ ـــــ" شیر نے گرج کر کہا اور ایک بھیڑیئے کو حکم دیا ـــــ "جاؤ ـــــ فلمی لیکھک کو سامنے کے غار میں لے جاؤ۔!"

لیکھک تھر تھر کانپنے لگا ـــــ بھیڑیے کے تیز تیز دانت دیکھ کر اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا ـــــ مگر مرتا کیا نہ کرتا چپ چاپ بھیڑیے کے ساتھ غار کے اندر چلا گیا۔

یہ ایک بہت بڑا غار تھا اور اس کے اندر بہت سے انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ ان پر سے گذرتے ہوئے جب بھیڑیا اور لیکھک غار کے بالکل اندر آگئے تو لیکھک یہ دیکھ کر مبہوت ہوگیا کہ وہاں ہر طرح کا فلمی سامان رکھا ہے ــــ کیمرہ.... مچل کا......... ساؤنڈ ٹرک ـــــ فلموں کے ڈبے ــــ ٹرالی ـــــ اور ہر وہ ساز و سامان جو ایک فلمی اسٹوڈیو میں ہوتا ہے ـــــ وہ سب یہاں پر موجود ہے ـــــ!

بھیڑیا بولا ـــــ بہت عرصہ ہوا ایک فلم کمپنی یہاں آوٹ ڈور شوٹنگ کے لئے آئی تھی ـــــ ایک رات بہت بڑا طوفان آیا ـــــ بہت سے لوگ اس طوفان میں بہہ گئے۔ چند خیموں پر بجلی گری اور بہت سے لوگ مر گئے۔

جو باقی بچے انہیں ہم نے کھا لیا۔ اس وقت سے یہ سارا سامان یہیں پڑا ہے۔

بھیڑیے نے لیکھک کو سارا سامان دکھایا۔ پھر اسے لیکر غار سے باہر آگیا ـــــ اور بادشاہ سلامت کے حضور میں لیکھک کو دوبارہ پیش کر دیا۔

تمہارا اطمینان ہو گیا ــــــــ" شیر نے لکھک سے پوچھا۔

"ہو گیا سرکار والا مدا۔!"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔" کہانی لکھو۔!

"لکھتا ہوں۔ مگر کچھ مہلت چاہیئے۔!"

شیر نے لومڑے سے مشورہ کیا۔ لومڑے نے ریچھ سے ریچھ نے بھیڑیے سے۔ بھیڑیے نے کہا۔

"تمہیں ۲ دو دن کی مہلت دی جاتی ہے ــــ ۲ دو دن میں اگر کہانی تیار نہ ہوئی تو بادشاہ سلامت تمہیں کھا جائیں گے۔!! ــــ"

لکھک نے مسکرا کر کہا۔ ۲ دو دن تو بہت ہوتے ہیں ــــ ہمارے فلمی پروڈیوسر تو چار گھنٹے میں کہانی مانگتے ہیں ــــ!

شیر نے دربار برخاست کرتے ہوئے کہا۔

"تا بدولت شام کے شکار کو جاتے ہیں ــــــ دربار برخواست،

شیر جب اپنی جگہ سے اٹھا تو گیدڑ

زور سے چلّا کر بولا۔

"بہ ادب بہ ملاحظہ ہوشیار!
بادشاہ سلامت شکار کو جاتے ہیں۔
بہ ادب بہ ملاحظہ ہوشیار۔!

~ .. ~

اُسی دن شام کے وقت ریچھ کے بھٹ میں جنگل کے جانوروں کی ایک بے ضابطہ میٹنگ ہوئی ——— یہ میٹنگ فلمی لیکھک کے کہنے پر بلائی گئی تھی۔!

"بہنو اور بھائیو!" فلمی لیکھک نے اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا ——— آپ نے جو کام مجھے سونپا ہے میں اسے پوری طرح سے اور ٹھیک طرح سے انجام دینے کی کوشش کروں گا۔ مگر کچھ مسائل ایسے ہیں۔ جن پر آپ سب کا مل کر غور کرنا ضروری ہے ——— سب سے مشکل بات روپے کی ہے۔ جنگل کی تصویر بھی بغیر روپے کے نہیں بن سکتی۔ ———!"

ہمارے پاس روپیہ بہت ہے ـــــ ناگ پھنکارتے ہوئے بولا۔

اس جنگل میں سات بادشاہوں کا خزانہ دفن ہے اور وہ سارا خزانہ میری تحویل میں ہے۔ تمہیں جتنے چاہیئں ـــــ میں سونے کی اشرفیوں کی صورت میں دے سکتا ہوں۔!"

یہ خبر سن کر لیکھک کا دماغ باغ باغ ہوگیا۔

"یہ تو بہت اچھی خبر سنائی آپ نے لیکھک ـــــ بولا۔

میرے خیال میں اب کاسٹنگ ہو جائے تو اچھا ہے ـــــ بادشاہ کا رول تو غالباً بادشاہ سلامت خود کریں گے۔ لیکن ان کے ولی عہد یعنی شہزادے کا رول کون کریگا۔؟"

ریچھ بولا ـــــ میں کروں گا اور کون کریگا۔؟"

لیکھک نے ریچھ کی صورت دیکھی۔ ریچھ نے مسکرا کر اپنے خوفناک دانت دکھائے۔

لیکھک نے اسی وقت سہم کر کہا۔ ـــــ ہاں ٹھیک

ہے ـــــ اب ایک کامیڈین چاہیئے۔!"

لنگور بولا ـــــ "میں حاضر ہوں ـــــ مجھ سے اچھا کامیڈین آپکو فلم انڈسٹری میں نہیں ملے گا ـــــ اچھل کود میں جانی واکر کو مات کر دوں گا۔ منھ بنانے میں آغا کو اور باتیں کرنے میں اوم پرکاش کو ـــــ ذرا کام دے کے دیکھئے۔......!"

چلئے آپ کامیڈین ...... لیکھک بولا۔ "اب ـــــ بتائیے کہ میوزک ڈائریکٹر کون ہوگا۔؟"

لومڑا بولا ـــــ "میں میوزک ڈائریکٹر۔!"

گیدڑ بولا ـــــ "نہیں۔ میں میوزک ڈائریکٹر۔!"

دونوں میں کافی دیر تک جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر لیکھک ـــــ نے کہا۔ کیوں نہ آپ دونوں مل کر میوزک دیں۔؟ آجکل فلمی میوزک میں جوڑی بہت چلتی ہے۔ جیسے شنکر، جے کشن، آنند جی۔ کلیان جی۔ لکشمی کانت۔ پیارے لال۔ اپنی ہر پکچر کے لئے" لومڑ گیدڑ بہت عمدہ اور بہت اچھے رہیں گے۔!"

لومڑ، گیدڑ، میوزک ڈائریکٹر طے ہو گئے ـــــ باقی کاسٹنگ بھی آسانی سے طے ہو گئی۔

ریچھ بولا۔

"اور تو سب ٹھیک ہے۔ ہمارے جنگل میں کوئی ہیروئین نہیں ہے۔!"

"ہاں" لیکھک سوچ سوچ کر بولا "ہیروئین کا بڑا الفڑا ہے ——— کئی نام تجویز ہوئے —— رچھپی، گینڈی۔ بھبھڑنی۔ مگر ریچھ نے سب نام رد کر دیئے۔

"واقعی ——— "لیکھک بولا ——— ہیروئین کا بڑا الفڑا ہے۔ میں سمجھتا ہوں مگر اس جنگلی پکچر میں ایک عورت ہیروئین آجائے تو مزا آجائے پھر یہ پکچر نہ صرف جنگل میں بلکہ شہروں میں بھی باکس آفس پر ہٹ ثابت ہوگی۔!"

ریچھ نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔ "بات تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر وہ کون عورت ہوگی جو ہمارے جانوروں کے سنگ کام کرنے پر راضی ہوگی۔!

"سوچنا پڑیگا ——" لیکھک بولا۔ "رات بھر کے لئے سوچنے کا ٹائم دو۔!

دوسرے دن جب لیکھک ریچھ کے بھٹ بن سے سو کر باہر نکلا تو دیکھا کہ سامنے سے ریچھ آدٹ دور شوٹنگ کرنے والی کمپنی کی ہیروین مس چنچلا کو کندھے پر اٹھائے چلا آ رہا ہے لیکھک چنچلا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ایک عرصہ سے لیکھک کی اس پر آنکھ تھی۔ مگر چنچلا تھی کہ اسے خاطر میں بھی نہ لاتی تھی ـــ چنچلا فلم انڈسٹری کی حسین ترتن۔ فلم ایکٹرسوں میں تھی ـــ نازک بدن ـــ زہریلے خم ـــ آتشیں تبسم ـــ انگ انگ سے جوانی پھوٹتی ہوئی ـــ مست ـــ شوخ ـــ دلکش اور چنچلا کب سے لیکھک کے دل میں بسی ہوئی تھی ـــ مگر لیکھک کی کبھی ہمت نہ ہوئی تھی کہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ سکے ـــ فلم کمپنی میں وہ اونچی فضاؤں میں اڑتی تھی ـــ ...... کبھی ہیرو کے ساتھ، کبھی پروڈیوسر کے ساتھ ...... کبھی ڈائریکٹر کے ساتھ۔ بچارے فلمی لیکھک کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں گیا تھا۔

تو تمہارا ہیروئن والا مسئلہ بھی حل ہو گیا ـــــ"
ریچھ ہانپتے ہوئے بولا ـــــ بڑی مشکل سے اغوا کر کے لایا؟
ہوں ـــــ!

دو دن کے بعد کہانی پر بحث ہوئی۔ "کہانی کمیٹی"
میں ریچھ، لومڑا۔ گیدڑ۔ چیتلا اور لنگور کے علاوہ خود بادشاہ
سلامت بھی شریک تھے۔!

کیا نیڈل کہانی لکھی ہے تم نے۔" شیر بولا ـــــ
"بادشاہ انارکلی کو دیوار میں کیوں چنوا دیتا ہے۔؟ اسے خود
کیوں نہیں کھایا۔؟"

لیکھک نے عرض کی "حضور پر نور فلم میں ہیروئن کو
کھایا نہیں جاتا۔ یہ بات فلمی اصول کے خلاف ہے!"

اچھا ـــــ اگر بادشاہ نہیں کھاتا تو اس کا بیٹا ہی
کھا جائے۔ ـــــ ہیروئن بیکار میں ماری جا رہی ہے۔
ایسے شکار کا کیا فائدہ۔؟" بادشاہ نے پھر کہا۔

ریچھ بولا۔ اور "ولی عہد کیا بزدل ہے ـــــ؟
انارکلی کے لئے روتا کیوں ہے۔
اپنے باپ سے لڑ کر انارکلی کو حاصل کیوں نہیں کر لیتا۔؟

دونوں لڑیں ۔ شیر بھی اور ریچھ بھی ——— جو جیت جائے
وہ انار کلی کو حاصل کرے ۔"!

لومڑ گیدڑ بولے ——— اس کہانی میں تو میوزک کا
اسکوپ بھی نہیں ہے ——— ڈائیلاگ ہی ڈائیلاگ رکھ
دیئے ہیں ۔"!

لنگور بولا ۔" میری کامیڈی کے سین بہت کم ہیں،
اور وہ سین بھی تمہیں بدلنا پڑیگا ۔ .... !"

... "کون سا ۔؟" لیکھک نے پوچھا ۔

وہ جس میں انار کلی بال کھولے، شہزادہ، شہزادہ کہتی
ہوئی جنگل میں بھاگی جا رہی ہے، ——— اس وقت یہ دکھاؤ
کہ لنگور دو درختوں سے پھدکتا ہوا آتا ہے ۔ اور انار کلی کو اس
کے بالوں سے پکڑ کر اوپر درخت کی شاخوں میں گھس جاتا ہے۔
اور شہزادہ نیچے منہ دیکھتا رہ گیا ——— !"

اور عین اسی وقت ایک ڈویٹ شروع ہو جاتا ہے۔

لومڑ بولا ۔

"میں کا شمیر کی حور ——— تو جنگل کا لنگور ———
چشم بد دور ۔ !"

"واہ۔ واہ" گیدڑ نے داد دی ——— کیا نکھرا ہوا ہے، نکھرا ہے کہ چاند کا ٹکڑا ہے۔!"

ریچھ پھر لیکھک سے مڑ کر کہنے لگا۔ "بھائی لیکھک تم سے یہ کہانی نہیں بنے گی ——— اس کہانی کو میں لکھتا ہوں چینچلا لومڑ اور گیدڑ، کی مدد سے ——— مگر گھبراؤ نہیں ——— نام تمہارا ہی جائے گا۔!"

لیکھک کا منہ اتنا سا نکل آیا ——— مگر خون کا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا ——— کہانی کا اسکرپٹ اس نے ریچھ کے حوالے کیا اور خود جنگل میں ہوا کھانے کو نکل گیا۔!"

رات کو اس نے چینچلا سے بات کی "میں نے آج اس جنگل میں سے نکلنے کا راستہ دریافت کر لیا ہے۔ خبردار رہو ——— میں آدھی رات کو جب سب پہرے دار جانور سو جائیں گے۔ تم کو جگا دوں گا ——— پھر ہم دونوں اس جنگل سے بھاگ جائیں گے۔!"

"کون تم سے بھاگ جانے کی بات کر رہا ہے ——؟"

چینچلا تنک کر بولی۔

کیا تم اس جنگل میں رہنا پسند کرو گی۔؟ لیکھک

بنے حیرت سے پوچھا

"کیا برائی ہے۔؟ اور مجھے یہاں شہد اور دودھ ملتا ہے۔ تازے تازے عمدہ پھل ریچھ میرے لئے توڑ کر لاتا ہے اور خوبصورت پھول ......؟

تم ریچھ کے ساتھ کام کرو گی۔؟" لیکھک نے بڑے اچنبھے سے پوچھا۔

"دیکھتی نہیں ہو ان کے جسم پر کتنے بال ہیں۔؟"

"میں نے ایسے کئی فلمی ہیرو دیکھے ہیں۔ جن کے جسم پر ریچھ سے بھی زیادہ بال ہوتے ہیں۔!"

"اور ایکٹنگ کرتے وقت منہ کتنا برا بناتا ہے ریچھ ——؟" لیکھک اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔!

میں نے اس سے بھی زیادہ برا منہ بنانے والے ہیرو دیکھے ہیں۔ چنچلا بولی۔!

"یہاں تمہاری عزت محفوظ نہیں ہے۔!"

"عزت تو وہاں پر بھی محفوظ نہیں تھی۔!"

"یہ لوگ جانور ہیں۔!"

"یہ بیچارے تو جانور کے بھیس میں جانور ہیں۔ میں نے

تو انسانوں کے بھیس میں جانور دیکھے ہیں۔!"

"اس جنگل میں رہ کے تمہیں کیا ملے گا۔؟"

سات بادشاہوں کا خزانہ۔" ہیروئین بولی "ناگ بھی مجھ سے عشق کرنے لگا ہے۔ بولتا ہے۔ میں سارا خزانہ تمہارے قدموں میں ڈھیر کردوں گا۔۔۔ بس میں اب اس جنگل میں رہ کر اطمینان سے تصویر بناؤں گی۔۔۔ بس اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں نہ انکم ٹیکس کا جھگڑا ہے اور نہ بلیک اور وہائٹ کا لفڑا۔۔۔ ہر پکچر میں، میں ہی ہیروئین بنوں گی اور روز ہاتھی کی سواری کرونگی۔۔۔" چنچلا خوشی سے تالی بجا کر بولی۔!

"میں تم سے پیار کرتا ہوں۔" لیکھک نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔

"تو کرتے رہو۔۔۔ اور بھی کرتے ہیں۔ تم بھی کرتے رہو یہاں کس نے منع کیا ہے۔؟"

لیکھک ایک ٹھنڈی سانس بھر کے چپ ہو گیا۔ اور راتوں رات جنگل پار کر کے نکل گیا۔ صبح جب آؤٹ ڈور شوٹنگ کی جگہ پر پہنچا تو خیمے اکھاڑے جا رہے تھے اور فلم کمپنی واپس جا رہی

تھی ——۔ ڈائریکٹر نے اسے تبایا۔

ہم نے تمہاری جگہ ایک ایکسٹرا کو لیکھک رکھ لیا ہے ۔اب تمہاری ضرورت نہیں ہے ——!

لیکھک بیچارہ پھر جنگل کو واپس بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے جب شیر کے دربار میں پہنچا تو وہاں بھی شوٹنگ شروع ہوچکی تھی۔

ریچھ نے تبایا —— اب تمہاری ضرورت نہیں ہے بادشاہ سلامت نے خود کہانی لکھنے کا فیصلہ کیا ہے ۔

مایوس ہوکر لیکھک نے طنزاً کہا ۔ "کہانی تو لکھیں گے مگر لیکھک کا دماغ کہاں سے لائیں گے ۔؟"

اتنا سننا تھا کہ شیر گرج کر لیکھک پر جھپٹا اور اس کا دماغ کھا گیا —— پورے کا پورا لیکھک کھا گیا ۔!

لیکھک کو کھانے کے بعد شیر نے دھڑا دھڑ ہٹ پکچریں لکھ ڈالیں ۔ جانوروں کا مغل اعظم ، ڈبل جنگلی، ٹارزن کی پوتی ۔ آدم خور ، انارکلی کے کباب "—— !

سُنا ہے کہ ان پکچروں کی کامیابی سے متاثر ہوکر ہالی وُوڈ کی ایک کمپنی نے شیر کو امریکہ آنے کی

دعوت دی ہے۔

ہمارا شیر بہت جلد ایم۔بی۔ایم کمپنی میں جانے والا ہے ——!

ناگ منی

(پانچویں فلمی حکایت)

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ مغربی گھاٹ کے ایک گھنے جنگل میں ڈھاک کے ایک پیڑ کے نیچے ایک آدمی پڑا سوتا تھا جب آدھی رات ادھر ہوئی تو اس پیڑ کی شاخ پر اُلّوؤں کا ایک جوڑا کہیں دور سے اڑتا ہوا آیا۔ اور بیٹھ کر سستانے لگا۔

نیچے سوتے ہوئے آدمی کو دیکھ کر اُلو نے اُلّن سے کہا "اے بیوی اس پیڑ کے نیچے جو مسافر پڑا سوتا ہے۔ جانتی ہے کون ہے یہ۔؟"

"کون ہے۔؟" اُلّن نے پوچھا۔ پھر نیچے سوئے ہوئے مسافر کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر بولی۔

"مجھے تو بیچارا کوئی بھیک منگا یا فقیر لگے ہے۔"

یہ فقیر نہیں ہے۔" اُلّو بولا ـــــ اس کا نام کھوٹے لال ہے، کسی زمانے میں یہ شہر بمبئی کا ایک بہت بڑا بزنس مین تھا اس زمانے میں پورے شہر میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ آجکل اُلّو بولتا ہے۔ یہ اس پیڑ کے نیچے دیوالیہ ہو کر سو رہا ہے۔ صبح سویرے یہ یہاں سے اٹھ کر گھاٹ کی چوٹی پر جائے گا۔ اور چھلانگ لگا کر خودکشی کرے گا۔" ہائے ہائے ـــ اُلّن آخر عورت تھی بڑی ہمدردی سے سوئے ہوئے مسافر کو تاکتے ہوئے بولی۔ "مہاراج اس غریب کو کسی طرح بچا لیجئے۔"

"نہیں۔! اُلّو بڑی سختی سے بولا۔" تو نہیں جانتی نیک بخت یہ آدمی اسی سلوک کا مستحق ہے۔ جن دنوں یہ شہر بمبئی میں بزنس کرتا تھا۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بات بے بات پر ہر کسی کو اُلّو کا پٹھا کہتا تھا۔"

"اُلّو کا پٹھا کہتا تھا تو کیا تھا ـــــ ؟ ہم دونوں اُلّو ہیں بلکہ آپ تو دنیا کے سب بڑے اُلّو ہیں۔ اُلّن بولی۔ اُلّو ہونے میں کیا برائی ہے۔؟"

تم ٹھیک کہتی ہو نیک بخت۔ جانوروں کی بستی میں اُلّو سب سے عقلمند مانا جاتا ہے۔ لیکن انسانوں کی بستی میں عقلمند اُلّو کو سب

سے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے انسانوں کی بستی میں جب کھوٹے لال کسی کو الو کہتا تھا تو وہ صرف نہ اس انسان کی بے عزتی کرتا تھا بلکہ ہم الّوؤں کی بھی۔"

بہت بری بات ہے کسی کو گالی دینا۔ چھی چھی......

الّن بولی :۔ "مگر اس وقت بیچارہ دیکھئے کس حالت میں پڑا سو رہا ہے۔ ضرور اس کی مدد کیجئے، مہاراج۔"

نہیں میں ہرگز اس کی مدد نہیں کروں گا۔" الّو نے تیکھے لہجہ میں کہا۔" حالانکہ میں چاہوں تو اس کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے مہاراج۔؟"

"سنو پیاری۔ اگر یہ آدمی جو اس وقت نیچے پڑا بے سدھ سوتا ہے۔ صبح اٹھ کر پہاڑی کی چوٹی سے کود کر خودکشی کرنے کے بجائے نیچے گھاٹ میں اتر جائے اور سات کوس تک چلتا جائے تو سات کوس کے سفر کے بعد اس کو سات دروازوں والا ایک قبرستان دکھائی دیگا۔ جسکے ہر دروازے کے باہر ایک مجاور بیٹھا ہوگا۔ یہ مجاور دراصل مجاور نہیں ہیں۔ بلکہ پرانے فلمی ایکسٹرا ہیں۔ جو فلموں میں کام نہ ملنے سے قبرستان کی مجاوری کرنے لگے۔ یہ سات مجاور اس سے سات سوال کریں گے۔ اور اگر اس مسافر نے جو اس

وقت مدہوش پڑا سوتا ہے ۔ ان مجاوروں کے سات سوالوں کا ٹھیک جواب دیدیا تو وہ اسے آگے جانے دیں گے ۔ ورنہ وہیں قبرستان میں گاڑ دیں گے ۔"

ہائے بے چارہ ۔ اُلّو نے ہمدردی سے سر ہلا کر کہا ۔

اگر یہ ان سات مجاوروں سے بچ گیا اور آگے چلا گیا ۔ تو آگے پھر بڑی مصیبت ہو گی ۔"

"کیا ہو گی ۔ ؟" اُلّو نے پوچھا ۔

مثال کے طور پر اگر یہ قبرستان سے داہنی طرف کو مڑ گیا تو راستہ میں اسے ایک گہری دَل دَل ملے گی ۔ جہاں سات مگرمچھ رہتے ہیں ۔ وہ اسے کھا جائیں گے ۔ لیکن اگر یہ مسافر دائیں طرف جانے کے بجائے بائیں طرف مڑ گیا تو سات میل کی دوری پر اسے سات برجیوں والا ایک "قلعہ ملے گا ۔ اس قلعے کی ساتویں برجی میں وہ کنجی رکھی ہے ۔ جس سے قلعے کا تہہ خانہ کھلتا ہے ۔"

تہہ خانہ میں کیا ہے ۔ ؟"

"شاہی خزانہ ہے ۔" اُلّو بولا ۔ اور اتنا بڑا اتنا قیمتی شاہی خزانہ ہے کہ یہ شخص ساری زندگی عیش و

آرام سے زندہ رہ سکتا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ اس خزانے پر ایک
ناگ کا قبضہ ہے۔ یہ ناگ پچھلے جنم میں فلم فنانسر تھا۔ اور اب اس
خزانے پر کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ اور کسی کو ہاتھ لگانے نہیں دیتا۔
بہت سے لوگ اسی شاہی خزانے کی تلاش میں وہاں گئے۔ مگر
کوئی زندہ نہیں لوٹا۔ ہاں اگر یہ مسافر کسی طرح وہاں تک پہنچ جائے
اور اس ناگ کی خوشنودی حاصل کرلے تو اسکی قسمت بدل سکتی ہے
مگر یہ بے وقوف تو پڑا سوتا ہے۔ اسے کچھ نہیں ملے گا۔"

اتنا کہہ کر اُلو اپنی اُلنی کو لے کر پرواز کر گیا۔ ان کے جانے
کے بعد کھوٹے لال نے کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول کر اوپر دیکھا
دراصل وہ سوتا نہ تھا۔ بلکہ جاگ رہا تھا۔ اس نے اُلو کی سب
باتیں سن لی تھیں۔

دوسرے دن پو پھٹتے ہی کھوٹے لال اپنے سفر پر روانہ
ہو گیا اس نے خودکشی کا خیال ترک کر دیا۔ اور خزانہ ڈھونڈنے کو
چل پڑا سات کوس نیچے گھاٹی میں سفر کرنے کے بعد اسے سات
دروازوں والا قبرستان دکھائی دیا۔ جب کھوٹے لال قبرستان کے
پہلے دروازے پر پہنچا تو اسے سب سے پہلا مجاور دکھائی دیا۔ اسکی
گھنی ڈاڑھی تھی۔ مونچھیں خوفناک تھیں۔ اور آنکھیں لال تھیں۔

وہ مجاور اپنے ہاتھ میں بندوق تھامے کھڑا تھا۔

"ہالٹ!" پہلے مجاور نے کہا۔ "مرنے کے لئے تیار ہو جا!"

"مگر کیوں۔؟" کھوٹے لال بولا۔ "میں نے کیا قصور کیا ہے۔؟"

"تیرا قصور یہی ہے کہ تو ادھر کیوں آنکلا۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ زندوں کا قبرستان ہے۔؟"

"زندوں کا ——؟" کھوٹے لال نے بڑی حیرت سے پوچھا

"ہاں!" یہاں مردے نہیں گاڑے جاتے ہیں۔ بلکہ زندہ لوگ گاڑے جاتے ہیں۔

"کیا میری جان بخشی کی کوئی صورت نہیں ہے ——؟ کھوٹے لال نے پوچھا۔

"ہے" وہ مجاور بولا۔ اگر تو میرے سوال کا ٹھیک جواب دے تو تجھے دوسرے دروازے پر جانے دوں گا۔ ورنہ یہیں زندہ گاڑ دوں گا۔"

"سوال کرو ——! کھوٹے لال نے کہا۔

"بتا سال میں سب سے اچھا ہفتہ کونسا ہوتا ہے۔؟ پہلے مجاور نے سوال کیا۔

"پچیسواں ۔" کھوٹے لال نے کہا ۔ جب فلم کی سلور
جبلی ہوتی ہے ۔

"شاباش تو آگے جا سکتا ہے ۔"

دوسرے دروازے پر پھر دوسرے مجاور نے روک لیا
ور اسی طرح زندہ گاڑ دینے کی ٹھانی ۔ کھوٹے لال نے جان بخشی
یا ہی ۔ مجاور نے سوال کرنا چاہا ۔ کھوٹے لال بولا ۔
سوال بے شک کرو ۔ مگر دوسرے مجاوروں کو بھی بلا لو
ر دروازہ پر موت کی دھمکی دینے سے یہی بہتر ہے کہ تم سب
ی کے اکٹھے سوال کرو ۔ اگر جواب تسلی بخش ثابت ہو تو مجھے
ساتوں دروازے سے گذر جانے دینا ورنہ یہیں گاڑ دینا ۔"
تجویز معقول تھی ۔ دوسرے مجاور نے باقی مجاوروں کو بلا لیا
پہلا مجاور تو اپنا سوال کر ہی چکا تھا ۔ اب دوسرے مجاوروں
ی باری تھی ۔ اس نے پوچھا ۔
دوسرا مجاور :۔ اگر تمہارے پاس کہیں سے اسی لاکھ
روپیہ آ جائے تو کونسی فلم بناؤ گے ۔"
جواب :۔ میں فلم بناؤں گا ہی نہیں ۔
تیسرا مجاور :۔ صوفیوں نے عشق کی تین منزلیں مقرر

کی ہیں۔ ان تینوں منزلوں کے نام بتاؤ — !

جواب :- پہلی منزل روپیہ —— دوسری منزل قانم

—— تیسری منزل دیوالیہ ۔

چوتھا مجاور :- کچھ لوگ عورتوں کو پردے میں رکھنے

کے حق میں ہیں۔ کچھ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ تمہارے خیال

میں کیا صحیح ہے۔

جواب :- میں عورتوں کو پردے میں ہر وقت رکھنے

کے حق میں ہوں۔ بشرطیکہ وہ اسکرین کا پردہ ہو۔

پانچواں مجاور :- اگر میونسپلٹی کے نل میں پانی نہ آئے

تو کیا کرنا چاہیئے۔ ؟

جواب :- ٹھرا پینا چاہیئے۔

چھٹا مجاور :- اگر کسی کو اس دنیا میں چمچہ گیری نہ آتی ہو

تو وہ کیا کرے ۔ ؟

جواب :- وہی کرے جو آپ کر رہے ہیں۔

یہ جواب سنتے ہی وہ ساتواں مجاور کوئی سوال کئے

بغیر مسافر کے قدموں میں گر گیا.......... اور اب وہ سا

مجاور اس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگے۔ اور اسے اپنے

ساتھ رکھنے پر اصرار کرنے لگے ۔ آج سے تم ہمارے گرو ہو۔ ہم تمہارے چیلے ۔ ہمارے ساتھ رہو ۔ ہم دن رات تمہاری خدمت کریں گے کھوٹے لال نے ان سے وعدہ کیا ۔ "جہاں میں جا رہا ہوں وہاں اگر میرا کام نہ بنا تو میں یہیں آکر رہ جاؤں گا ۔

کھوٹے لال نے ان سے وعدہ کیا اور وہاں سے رخصت ہوا اور مگرمچھوں والی دل دل سے کترا کر سیدھا الو کے بتائے ہوئے راستہ پر پرانے قلعہ میں پہنچ گیا ۔ اور ساتویں برجی میں رکھی ہوئی کنجی حاصل کرکے قلعہ کے تہہ خانہ میں پہنچ گیا ۔

تہہ خانے میں جاتے ہی ایک خوفناک پھنکار سنائی دی کھوٹے لال سہم کر دروازے میں کھڑا رہ گیا ۔ سارا تہہ خانہ مردوں کی ہڈیوں اور سوکھے پنجروں سے بھرا ہوا تھا ۔ دیواروں پر جالے لٹک رہے تھے ۔ مگر تہہ خانے میں گلابی رنگ کی دھیمی دھیمی روشنی تھی اور یہ روشنی ناگ کے منہ سے نکلتی تھی ۔ یہ "ناگ منی" کی روشنی تھی ناگ کے منھ میں ایک بہت بڑا لعل رکھا تھا ۔ اس لعل کی روشنی سے نور چھن چھن کر تہہ خانے کے درو دیوار کو منور کر رہا تھا ۔ کھوٹے لال نے دیکھا ایک کالا کوڑا سانپ ایک بہت بڑے آہنی صندوق پر کنڈلی مارے پھن اٹھائے بیٹھا ہے

ناگ نے کہا :- خزانے کو ہاتھ لگایا تو مارا جائیگا۔ بہتری اسی میں ہے کہ لوٹ جا!"...... کھوٹے لال بولا۔
"مجھے خزانہ نہیں چاہیئے۔ میں دنیا تیاگ چکا ہوں۔ میں ناگ دیوتا کا پجاری ہوں۔ باقی ساری زندگی تیری سیوا میں گذار دوں گا"
"تو جھوٹ بولتا ہے"۔ ناگ نے کھوٹے لال کو شبہے کی نظروں سے دیکھ کر کہا۔
"آزما کر دیکھ لو۔ کھوٹے لال نے اس سے کہا اور ناگ کے سامنے دودھ کا پیالہ رکھ دیا۔ ناگ کئی برسوں کا بھوکا تھا پیالے سے دودھ پینے لگا۔ دودھ پی کر کھوٹے لال کے چاروں طرف گھوما۔ اس نے کھوٹے لال کے جسم کا ایک ایک حصہ دیکھ لیا۔ کھوٹے لال کے پاس چاقو تھا نہ چھری نہ بندوق نہ رائفل نہ پستول۔ وہ ننہتا آیا تھا۔ اور صرف ایک لنگوٹ باندھ کر تہہ خانے میں داخل ہوا تھا۔
جب ناگ کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد اطمینان ہو گیا تو اس نے کھوٹے لال کے جسم کو اچھی طرح سے اپنی کنڈلی میں کس لیا۔ اور اسے مکمل بے بس کر کے سو گیا۔ برسوں سے سویا نہیں تھا اس لئے کئی دن سوتا رہا۔ چار دن کے بعد جب اسکی آنکھ کھلی

اس نے دیکھا کھوٹے لال اسی طرح کنڈلی میں بیٹھا ہوا آنکھیں بند کئے منہ میں بڑبڑا رہا ہے۔ جیسے ناگ دیوتا کی۔ جے ناگ دیوتا کی۔ ناگ کھوٹے لال کی عقیدت دیکھکر بہت خوش ہوا اس نے صندوق کھول کر ایک چھوٹا سا ہیرا نکالا اور اسے کھوٹے لال کیطرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "جا لے جا ہم تجھ سے بہت خوش ہیں"

کھوٹے لال نے انکار میں سر ہلایا۔ مجھے کچھ نہیں چاہیئے ناگ دیوتا بس اپنے چرنوں میں جگہ دیدو! میں زندگی بھر تمہاری خدمت کرونگا۔ یہی ایک آس لے کر آیا ہوں۔"

تو جھوٹ بولتا ہے۔" ناگ اسے شبہے کی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "تو فلم بنانا چاہتا ہے"

"فلم ــ ؟ فلم کیا ہوتی ہے مہاراج۔؟ کھوٹے لال بڑی معصومیت سے بولا۔

ناگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے کھوٹے لال کی راست بازی پر کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا ــــ مگر پورا نہیں اس نے کھوٹے لال سے کہا۔" جا میرے لئے جنگل سے دودھ لیکر آ! کھوٹے لال جنگل میں گیا۔ اور ایک جنگلی بکری کو پکڑ کر اس کا دودھ دوکر لایا۔ ناگ نے دودھ پی لیا اور پھر کھوٹے لال

کو اپنی کنڈلی میں کس کے سو گیا۔

اسی طرح پانچ سال گذر گئے۔ ہر روز کھوٹے لال جنگل میں جاتا اور دودھ کا پیالہ بھر کے لاتا اور ناگ کی خدمت میں پیش کرتا۔ اور اس کی کنڈلی میں کسا ہوا دبک کر چپکے سے پڑا رہتا۔ ناگ نے اسکی آزمائش کرنے کے لئے اسے کئی بار ہیرے اور جواہرات اور موتی دینے چاہے۔ مگر ہر بار سر ہلا کر کھوٹے لال انکار کرتا رہا اور ناگ کا اعتقاد اس پر دن بدن بڑھتا گیا۔ اسی طرح پانچ سال گذر گئے۔ پانچ سالوں کے بعد ایک دن جو کھوٹے لال جنگل میں دودھ لینے گیا تو دیر تک واپس نہیں آیا۔ ناگ بہت بھوکا تھا کیونکہ اب اسے ہر روز دودھ پینے کی عادت ہو گئی تھی۔ مگر کھوٹے لال دن بھر نہیں آیا۔ اور دن بھر ناگ دیوتا بھوکا پیاسا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ شام کو جب دن ڈھل رہا تھا۔ کھوٹے لال خالی پیالہ ہاتھ میں لئے تہہ خانے میں داخل ہوا۔ اس کے داخل ہوتے ہی ناگ نے ایک زہریلی پھنکار بھری اور پوچھا۔

"نالائق! کہاں تھا اس وقت تک؟ اور پیالہ کیوں خالی ہے۔؟"

کھوٹے لال نے دست بستہ عرض کی۔ "وہ پیالہ دوسرے

ناگ نے پی لیا۔"

"دوسرا ناگ ۔؟ کون دوسرا ناگ۔

"مہاراج ۔" کھوٹے لال کانپتے ہوئے لہجہ میں بولا۔
"میں جنگل سے دودھ لیکر سیدھا آپ کی طرف لوٹ رہا تھا کہ راستہ میں ایک کانٹے دار جھاڑیوں سے بھرے ٹیلے کے اندر سے ایک بہت بڑا خوفناک ناگ نکلا ـــــ اسکی پانچ آنکھیں تھیں اور پانچ زبانیں تھیں اور اسکے منھ میں ایک بجائے تین لعل تھے آپ کی ناگ منی سے بھی زیادہ روشن اور خوبصورت اور......

ایک کے بجائے تین ۔!"

"ہو نہیں سکتا۔ تین لعل والا ناگ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"میں آپ کو دکھا سکتا ہوں مہاراج ۔ وہ بڑا خطرناک ناگ تھا ۔ مگر بندہ بھی آپ کا شاگرد ہے۔ میں نے دل ہی دل میں آپ کو یاد کیا اور اس ناگ سے لڑنے لگا ۔ اس لڑائی میں دودھ کا پیالہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور زمین پر بہہ گیا۔ ناگ زخمی تو ہوا مگر مرا نہیں ۔ وہ ٹیلے کے نیچے بل میں گھس گیا میں بل کے اندر جا نہیں سکتا تھا ۔ ناچار لوٹ آیا۔

"کیا وہ ناگ ابھی تک اسی بل میں ہے۔؟"

"ہاں مہاراج۔"

"اور اس کے تین لعل۔؟"

"اس کے منھ میں ہیں۔"

"چلو ہم کو دکھاؤ"۔ ناگ کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ اگر تو سچ بولتا ہے ـــــ اگر ناگ زخمی ہے۔ اگر اس کے منھ میں ایک کے بجائے تین لعل ہیں، تو ہم وہ تینوں لعل حاصل کر لیں گے اور تم کو اپنے خزانے میں سے پانچ فیصدی حصہ دینگے۔"

مجھے کچھ نہیں چاہیئے ـــــ کھوٹے لعل ہنستا ہوا بولا۔ بس میں تو آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

خزانے کا ناگ کھوٹے لعل کے ساتھ روانہ ہوا کھوٹے لعل پیچ پیچ راستوں سے گذرتا ہوا ناگ کو ایک اونچے ٹیلے کے قریب لے گیا۔ اور ایک بل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

دیکھ لیجئے حضور! وہ ناگ اسی بل میں گھسا بیٹھا ہے

ناگ نے جب بل کے اندر جھانک کے دیکھا تو اسے بل کی تاریکی میں تین لعل روشن اور منور دور سے چمکتے ہوئے نظر آئے، ناگ زہریلی پھنکاریں بھرتا ہوا فوراً بل کے اندر گھس گیا۔ دوس

تک اندر جانے کے بعد جونہی اس نے لعل کو پکڑنے کے لئے منھ اٹھایا وہ درد سے بلبلا کر تڑپنے لگا۔

یہ لعل نہیں تھے۔ آگ کے دہکتے ہوئے انگارے تھے کھوٹے لعل نے موقع پاکر ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس نقلی بل کو اندر سے دہکتے ہوئے انگاروں سے بھر دیا تھا۔ جونہی ناگ نے انگاروں کو منھ میں اٹھانا چاہا۔ اس کی زبان جلنے لگی اور وہ درد کی شدت سے تڑپنے لگا۔

"ارے یہ لعل نہیں ہیں۔ انگارے ہیں۔" ناگ نے تڑپتے ہوئے کہا۔

"انگارے ہیں۔؟" کھوٹے لعل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں مجھے بچاؤ۔ میرے منھ سے انگارے نکال لو میں جل رہا ہوں"

کیسے نکالوں مہاراج۔ آپ کے منھ میں تو زہر کے دانت ہیں۔ ہاں اگر آپ منھ اچھی طرح سے کھولیں تو شاید میں کچھ آپکی مدد کر سکوں۔"

ناگ نے اپنا منھ اچھی طرح سے کھول دیا۔ فوراً اسی وقت کھوٹے لال نے سیہ خارپشت کے چار بڑے بڑے کانٹوں سے ناگ کا منھ اسطرح کھول دیا کہ اب وہ کسی طرح اس منھ کو بند

نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے بعد اس نے سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈال کر سب سے پہلے "ناگ منی" اپنے قبضے میں کی۔ پھر جب وہ بل کے سوراخ کو مٹی اور پتھروں سے اچھی طرح ہموار کرنے لگا۔ تو ناگ نے چلا کر کہا "یہ کیا کر رہے ہو۔؟ اب تمہارا خزانہ لینے جا رہا ہوں۔" کھوٹے لال نے ہنس کر کہا۔

ناگ کو اب کھوٹے لال کی چالاکی سمجھ میں آئی۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا منھ سیہ کے کانٹوں سے چھدا ہوا کھلے کا کھلا تھا۔ اب وہ کسی طرح سے اپنے منھ کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ نہ اپنے زہریلے دانت استعمال کر سکتا تھا۔ نہ فی الحال بل سے باہر نکل سکتا تھا۔

"تم کون ہو۔؟" ناگ نے کھوٹے لال سے پوچھا۔ میں بس اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ جس آدمی نے ایک سانپ کے منھ میں ہاتھ ڈالکر اسکی "ناگ منی" نکال لی ہے۔ وہ آدمی کون ہے۔؟"

کھوٹے لال نے بل کے سوراخ پر آخری پتھر رکھتے ہوئے کہا۔

"مہاراج میں ایک فلم پروڈیوسر ہوں۔"

ختم شد